مٹالوں کا ہنگامہ

اشتیاق احمد۔

انسپکٹر جمشید

دو باتیں

"بونوں کا چنگھاڑ" نام پڑھ کر آپ
مسکرائیں گے۔ فکر نہ کریں، اندر بھی
آپ کے لیے بہت سی مسکراہٹیں اور
قہقہے بکھرے پڑے ہیں اور پھر کہانی
آپ کو ہر قدم پر اچھل پڑنے پر الگ
مجبور کر دے گی — مجھے ڈر ہے کہ
کہیں آپ کے پڑوسی آپ کے والدین سے
شکایت نہ کر بیٹھیں کہ آپ کے بچے ٹھٹھے
بیٹھکیں بہت لگاتے ہیں۔ آج کل وہ
کچھ زیادہ ہی ورزش کرنے لگے ہیں —
"اگلے ناول کا ذکر آخر میں" —

اشتیاق احمد

ترتیب

ماموں گم ہو گئے

وہ ان دنوں چھٹیاں منا رہے تھے۔ سکول گرمیوں کی تعطیلات کے سلسلے میں بند تھے اور وہ کسی کیس میں بھی نہیں الجھے ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سکول کا کام کرنے، اپنی تجربہ گاہ میں کچھ وقت گزارنے، اپنی بلی سوفی کے ساتھ چھیڑ خانیاں کرنے اور دوستوں سے ملنے ملانے کے سوا انہیں کوئی کام نہ تھا۔ کبھی بوریت محسوس کرتے تو خان رحمان کے گھر چلے جاتے۔ حامد، سرور اور ناز سے گپ شپ اڑاتے۔ خان رحمان کی چٹ پٹی باتیں سنتے، نعمان کی رنگت بنتے دیکھتے اور واپس آجاتے، یا پھر کبھی دل کرتا تو پروفیسر داؤد اور شائستہ سے مل آتے۔ غرض آج کل راوی ان کے لیے عیش ہی عیش لکھتا تھا۔

اس وقت وہ صبح کا ناشتا کرکے فارغ ہوئے تھے۔ انسپکٹر جمشید دفتر جا چکے تھے، لیکن وہ میز پر ہی جمے بیٹھے تھے..... اور بات ہو رہی تھی محاوروں پر۔

"میری سمجھ میں آج تک ایک محاورے کا مطلب نہیں آیا۔" محمود کہہ رہا تھا۔

"اب جب تک ہم یہ نہ پوچھیں کہ کون سا محاورہ، تم بتاؤ گے نہیں

کیا خیال ہے، فاروق سے پوچھ لیں؟"

"اور تم ہی کون سا اس کے ساتھ رعایت کر گئیں، ابھی پوچھنے کی اجازت لینے کے چکر میں پڑی ہو، بھلا یہ بھی کوئی تک ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اگر یہ بے تکی ہے تو پھر تم پوچھ لو۔" فرزانہ شریر انداز میں مسکرائی۔

"چلو بھائی بتاؤ، کون سا محاورہ تمہاری سمجھ سے باہر ہے، ذرا ہم بھی تو سنیں، وہ کتنا ثقیل ہے...... اور اسے معلوم کرنے کے لیے ہمیں کتنے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ میرا مطلب ہے کتنی ڈکشنریاں کھنگالنا پڑیں گی...... کہیں ایسا نہ ہو، ڈکشنریاں ختم ہو جائیں اور اس محاورے کا مطلب نظر نہ آئے اور ہم تلاش میں نکل کھڑے ہوں ایک عدد ایسی ڈکشنری کی جس میں اس محاورے کا مطلب مل جائے اور نکلیں بھی چراغ لے کر، اگرچہ آج کل چراغ کا زمانہ بھی نہیں رہا، نہ جانے پرانے زمانے میں لوگ کسی چیز کو ڈھونڈنے کے لیے چراغ لے کر کس طرح نکلتے ہوں گے، وہ ہوا کے جھونکے سے بجھ نہیں جاتا ہوگا، ہاں، یہ ہو سکتا ہے، وہ ایسے وقت میں نکلتے ہوں گے جب ہوا تقریباً بند ہوتی ہو گی، کیونکہ جب سے یہ دنیا بنی ہے اس وقت سے مکمل طور پر کبھی ہوا بند ہوئی ہی نہیں۔ یہاں ایک نکتہ ضرور پیدا ہوتا ہے، پرانے زمانے کے چراغ آج کے بلبوں سے اچھے تھے، تم یہ سوال کرنے کے لیے پر تول رہے ہو گے کہ بھلا وہ کس طرح، اگر چراغ اچھے تھے تو پھر ان کی جگہ بلبوں نے کس طرح لے لی ── تو میرا جواب یہ ہے کہ لوگ چراغ سے چراغ تو جلایا کرتے تھے اب بلب سے بلب تو جلنے سے رہا، لیکن ناں ہیں...... یہ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا...... بات تو ہو رہی تھی محاورے کی، ہاں تو محمود پیارے اب بتا ہی دو، وہ کون سا نامعقول، ناہنجار اور بدبخت محاورہ ہے جو آج تک تمہارے دماغ کی سیر کرنے سے محروم ہے۔"

یہ کہہ کر فاروق نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گیا۔ محمود اور فرزانہ بتوں کی طرح بیٹھے اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہے تھے...... یوں جیسے ان کے سامنے فاروق نہ ہو، کوئی جدید ترین سائنسی ایجاد موجود ہو۔ آخر کئی سیکنڈ گزرنے کے بعد محمود نے کہا:

"افسوس! اس وقت یہاں کوئی امریکی سائنس دان موجود نہ ہوا۔"

"کیوں، یہ امریکی سائنس دان کی یہاں کیا ضرورت پیش آ گئی؟" فرزانہ چونکی۔

"وہ فاروق کی زبان کو ہر قیمت پر کاٹ کر لے جاتا اور امریکہ کے سب سے بڑے عجائب گھر میں اسے محفوظ کر دیتا، اس کے نیچے یہ تحریر ہوتی، دنیا کی حیرت انگیز ترین زبان جس کے آگے بڑی بڑی سائنسی ایجادات بھی پانی بھرتی نظر آتی ہیں۔"

"شاید آج تم دونوں کو محاورے بولنے کا بخار چڑھ گیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اس بخار کا نام تم نے آج ہی سنا ہے۔"

"لیکن ہم نے وہ محاورہ نہیں سُنا" فرزانہ نے کہا۔

"فاروق کی لمبی چوڑی تقریر میں محاوروں کی بھرمار کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔ اگر اب بھی تمہارا پیٹ محاوروں سے نہیں بھرا تو بتائے دیتا ہوں' محاورہ ہے۔ ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا۔"

"لاحول ولا قوۃ...... اس محاورے کا تمہیں مطلب نہیں معلوم ـ" فاروق نے تیز آواز میں کہا۔

"اگر تمہیں معلوم ہے تو بتا دو۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"بھئی کریلا تو پہلے ہی بہت کڑوا ہوتا ہے' دوسرے وہ نیم کے درخت پر چڑھ جاتا ہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو گے کہ نیم کا درخت بھی کڑواہٹ میں اپنا جواب نہیں رکھتا؛ لہٰذا اس پر چڑھ کر بے چارہ کریلا اور بھی کڑوا ہو جاتا ہے بلکہ یہ کہہ لو' کڑواہٹ میں بجھ جاتا ہے' جیسے زہر میں کوئی چیز بجھی ہوتی ہے...... اب اگر تم زہروں پر بات کرنے کے لیے تیار ہو تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔"

"وحدت تیرے کی...... محمود' آج ہم فاروق سے بحث میں نہیں جیت سکتے' اس کے اندر ضرور کوئی باتونی شیطان گھس گیا ہے' یہ فاروق نہیں' وہ شیطان بول رہا ہے۔" فرزانہ نے ڈرے ڈرے لہجے میں کہا۔

"ارے باپ رے' کہیں یہ بات سچ ہی تو نہیں ـــ ویسے تم دونوں بحث مباحثے میں ہی نہیں اور بھی کسی چیز میں مجھ سے نہیں جیت سکتے۔"

"بالکل سچی بات...... یہ ضرور کوئی شیطان بول رہا ہے۔" محمود نے بھی فرزانہ کی تائید کی۔

"تم دن دہاڑے مجھے شیطان کہہ رہے ہو' خدا کا خوف کرو۔" فاروق نے فریاد کرنے والے لہجے میں کہا۔

"چلو اگر تم بُرا مانتے ہو تو ذات کو کہہ دیں گے۔" محمود نے بھی مسکرا کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ' کیوں نہ ہم محاوروں کی جان چھوڑ کر کوئی اور بات کریں۔" فاروق بولا۔

"جان تو تم نے ہی پکڑ رکھی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ بے چارے محاوروں کی جان عذاب میں ہے۔"

"بھائی میں دوزخ کا چوکیدار نہیں ہوں۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ان چھٹیوں میں......"

فرزانہ کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ محمود نے دوڑ کر دروازہ کھولا تو بیگم شیرازی تھیں۔ انہوں نے کہا:

"تم دونوں کا فون ہے ـــ" ان کا اشارہ محمود اور فاروق کی طرف تھا۔

"یعنی فون فرزانہ کا نہیں ہے' تو پھر ضرور ہمارا کوئی دوست ہو گا۔" محمود نے نتیجہ نکالا۔

"ہاں۔" بیگم شیرازی نے کہا اور وہ باورچی خانے کی طرف چل گئیں، جہاں بیگم جمشید برتن دھونے میں مصروف تھیں۔ ادھر وہ دونوں اُٹھے اور تیز تیز قدم اٹھاتے باہر نکل گئے۔ بیگم شیرازی کے گھر پہنچ کر محمود نے ریسیور اٹھایا اور بولا:

"ہیلو، میں محمود ہوں — آپ کون صاحب ہیں؟"

"محمود، یہ میں ہوں رحمان اختر — تمہارا دوست۔"

"ارے، رحمان — سناؤ یار کیا حال ہے، خیریت سے تو ہو، چھٹیاں کیسی گزر رہی ہیں؟" محمود چہکا۔ رحمان اختر ان کا کلاس فیلو بھی تھا اور گہرا دوست بھی — فاروق بھی اپنے کان ریسیور کے قریب لے آیا۔

"خیریت ہی تو نہیں ہے۔ میں اس وقت شہر سے نہیں قصبہ تغلق آباد سے بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے رحمان نے کہا۔

"ہائیں، یہ تم تغلق آباد کیسے پہنچ گئے۔ میرا تو خیال تھا شہر میں ہی ہو گے۔"

"نہیں، مجھے افسوس ہے۔ میں روانہ ہونے سے پہلے تم سے نہیں مل سکا۔ بس اچانک ہی تغلق آباد کا پروگرام بن گیا، شاید تمہیں یہ بات معلوم نہیں، یہاں میرے ماموں رہتے ہیں اور اس مرتبہ ہم نے چھٹیاں ان کے ہاں گزارنے کا پروگرام بنایا تھا، نہ صرف میں نے اور عارفہ نے، بلکہ ہمارے ساتھ امی اور ابو بھی یہیں چلے آئے ہیں۔"

"بھئی واہ، پھر تو خوب مزے اڑا رہے ہو گے، لیکن نہیں، ابھی ابھی تم نے کہا تھا کہ خیریت نہیں ہے، تو پیارے دوست، یہ خیریت کو کیا ہوا، وہ قصبہ تغلق آباد سے کیوں رخصت ہو گئی۔" محمود نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"یار مذاق چھوڑو، ہم یہاں بہت پریشان ہیں۔" رحمان نے جزبز ہو کر کہا۔

"ارے، تو بتاؤ نا..... کیوں پریشان ہو، آخر ہوا کیا ہے؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ماموں جان گم ہو گئے ہیں۔"

"کیا کہا، ماموں جان گم ہو گئے ہیں؟" محمود کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں، اسی لیے فون کیا ہے۔ خدا کے لیے کم از کم تم تینوں یہاں آ جاؤ۔ ہو سکتا ہے، انکل مصروفیات کی وجہ سے نہ آ سکیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"پہلے یہ بتاؤ ہوا کیا ہے؟"

"ہونا کیا تھا، بس ہم صبح سویرے اُٹھے ہیں تو ماموں جان غائب تھے، پہلے تو انہیں پورے گھر میں دیکھا گیا، پھر کھیتوں میں دیکھا گیا اور اس کے بعد پورے قصبے میں تلاش کیا گیا۔ جب اس پر بھی نہ ملے تو پولیس چوکی میں رپورٹ درج کرائی گئی۔ چوبیس گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں، لیکن ان کا اب تک کہیں پتا نہیں چلا۔"

"ہو سکتا ہے، وہ بتائے بغیر کسی دوسرے شہر چلے گئے ہوں۔" محمود نے کہا۔

"نہیں ہو سکتا، یہ تمہیں یہاں آ کر پتا چلے گا، بس تم چلے آؤ۔"

"اچھا، ہم ابھی بیٹھ کر اس سلسلے میں میٹنگ کرتے ہیں، پھر شام کو یہ مسئلہ ابا جان کے سامنے رکھیں گے اور اگر ان کی اجازت مل گئی تو ہم کل یہاں سے روانہ ہو سکیں گے۔"

"کل! لیکن اس طرح تو بہت دیر ہو جائے گی، کیا تم آج ہی روانہ نہیں ہو سکتے۔"

"دیکھیں گے بھئی، اور کوشش کریں گے، کچھ تیاری بھی تو کرنا پڑتی ہے۔"

"خیر، جو بات بھی طے ہو، مجھے فون پر بتا دینا۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا — آج کل میں ہمارے ہاں بھی ٹیلیفون لگنے والا ہے۔"

"ارے، یہ کیوں — انکل تو اس کے خلاف ہیں۔" رحمان نے چونک کر کہا۔

"ان کے محکمے کا دباؤ پڑ گیا ہے۔ سب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ فون لگ جائے — ابا جان کو ان کے مقابلے پر ہار ماننا پڑی ہے اور آج کل میں فون کام کرنا شروع کر دے گا۔ ہو سکتا ہے، ہم سب سے پہلا فون تمہیں ہی کریں۔"

"بھئی واہ، یہ تو بہت مزے کی بات ہوگی —" رحمان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، اتنی مزے کی کہ کیا بادشاہی بھی ہوتا ہوگا۔" فاروق نے ریسیور محمود کے ہاتھ سے اُچک کر کہا۔

"ارے فاروق، کیا تم بھی یہیں موجود تھے؟"

"ہاں، تم فکر نہ کرو، ہم جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

وہ واپس لوٹے تو فرزانہ ابھی تک میز پر بیٹھی تھی۔ انہیں آتے دیکھ کر بولی:

"کس کا فون تھا؟"

"ہمارے دوست رحمان کا، قصبہ تغلق آباد سے بول رہا تھا۔" محمود نے کہا۔

"اوہ اچھا۔" فرزانہ نے کہا۔

"تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ اس نے کیوں فون کیا تھا؟"

"کیوں کیا کوئی خاص بات تھی؟" فرزانہ چونکی۔

"ہاں، اس کے ماموں جان گم ہو گئے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا کہا؟ ماموں جان گم ہو گئے ہیں —" فرزانہ کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں، اور اب ہمیں ان کی تلاش کے لیے جانا ہے۔"

"اوہ، ماموں کی تلاش — یہ تو کسی ناول کا نام بن سکتا ہے —" فرزانہ نے کہا۔

"ہم اس وقت ناول کی نہیں — سچ مچ کے ماموں کی بات کر رہے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"اور وہ بھی اپنے دوست کے ماموں کی۔" فاروق نے ٹکڑا لگایا۔

"سن لیا، تمہارے ماموں کے دوست گم ہو گئے ہیں۔" فرزانہ نے بے خیالی میں کہا۔

"لاحول ولا.... ارے بھئی، ماموں کے دوست نہیں، دوست کے ماموں۔"

"تو مجھے کیا — جاؤ تم خود ہی انہیں تلاش کر لے۔"

"اس کا مطلب ہے، تم ہمارا ساتھ نہیں دو گی۔" محمود نے تنک کر کہا۔

"مجھے تو تمہارا جانا ہی ناممکن نظر آ رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"وہ کیسے؟" فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"ابا جان اجازت نہیں دیں گے۔" فرزانہ کا لہجہ پر یقین تھا۔

"اور ہمارا خیال ہے، وہ فوراً اجازت دے دیں گے، ہمارا دوست پریشانی میں مبتلا ہے، اس کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔" محمود نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، وہ گھر سے بتائے بغیر کسی دوسرے شہر چلے گئے ہیں۔ ایک آدھ دن کے بعد جب وہ آ جائیں گے تو اس وقت تم لوگوں کے چہرے دیکھنے والے ہوں گے۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"جب تم ساتھ ہی نہیں چلو گی تو ہمارے چہرے کس طرح دیکھ سکو گی؟" فاروق مسکرایا۔

"واپسی پر لٹکے ہوئے چہروں سے اندازہ لگاؤں گی۔"

"عینک لگا کر دیکھنا، کہیں تمہاری آنکھوں پر برا اثر نہ پڑ جائے۔" محمود نے جل کر کہا۔

"کوے کیوں چبا رہے ہو، اگر ابا جان نے اجازت دے دی تو میں بھی چلی چلوں گی۔"

"بڑی مہربانی — جیسے تمہارے بغیر تو ہم ماموں جان کو تلاش کر ہی نہیں سکیں گے۔" فاروق نے بھی جھلا کر کہا۔

"اب تو میں ہرگز نہیں......"

فرزانہ کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ یہ کون آ گیا — گھنٹی بجانے کا انداز عجیب سا تھا — آخر محمود نے اٹھ کر دروازہ کھولا — فاروق اور فرزانہ بھی اس سے چند قدم کے فاصلے پر تھے۔ انہوں نے دیکھا، دروازے پر ایک ادھیڑ عمر کا آدمی کھڑا تھا — چہرے پر داڑھی تھی نہ مونچھیں — اس کا رنگ سانولا اور آنکھیں نیلے رنگ کی تھیں — قد درمیانہ اور بدن ذرا موٹا تھا — اس کے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کا راج تھا۔

"فرمایئے؟" محمود نے شائستہ لہجے میں کہا۔

"انسپکٹر جمشید یہیں رہتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں، لیکن اس وقت وہ دفتر جا چکے ہیں اور اب شام کو لوٹیں گے۔" اس نے بتایا۔

"اوہ! میں بہت دور سے آیا ہوں، ان سے فوراً ملنا بہت ضروری ہے لیکن جب تک کچھ دیر سانس نہ لے لوں، دفتر تک جانے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ دراصل میں دل کا مریض ہوں۔"

"کوئی بات نہیں، آپ ہمارے گھر میں آرام فرمائیے۔" محمود نے اسے راستہ دینے کے لیے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا۔

وہ اسے ناشتے کی میز پر ہی لے آئے۔ اس خیال سے کہ شاید آنے والے نے ابھی ناشتا نہ کیا ہو۔

"ویسے آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"کیا تم تینوں انسپکٹر جمشید کے بچے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"تب تم لوگ رحمان اختر کو ضرور جانتے ہو گے؟"

"کیا؟" تینوں بری طرح اچھل پڑے۔

دوسرا ماموں

ادھیڑ عمر آدمی انہیں اس طرح اچھلتے دیکھ کر بوکھلا گیا۔ اس نے بدحواس ہو کر کہا:

"خیر تو ہے، تم تینوں اس طرح اچھلے کیوں؟"

"پہلے آپ یہ بتائیے، آپ کون ہیں؟ آپ کا رحمان اختر سے کیا رشتہ ہے؟"

"میں اس کا ماموں ہوں۔"

"کیا؟" ایک بار پھر وہ تینوں اچھل پڑے۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت زدہ نظروں سے دیکھا اور پھر ان کی نظریں اس آدمی پر جم گئیں۔

"آپ رحمان اختر کے ماموں ہیں؟" محمود نے سوال کیا۔

"ہاں، میں نے یہی تو بتایا ہے۔" اس نے الجھ کر کہا۔

"آپ اس وقت کہاں سے آ رہے ہیں؟"

"سیدھا تغلق آباد سے آ رہا ہوں۔ گاڑی سے اتر کر پہلے یہاں ہی آیا ہوں۔ دراصل آج کل سرکاری افسر دو تین گھنٹے دیر سے دفتر جاتے ہیں، اس لیے میرا خیال تھا، انسپکٹر جمشید ابھی گھر میں ہی مل جائیں گے۔"

"نہیں، وہ وقت کے بہت پابند ہیں ۔۔۔ کیا آپ تغلق آباد سے اپنے گھر سے چلے آ رہے ہیں؟" فاروق نے سوال کیا۔

"نہیں، پرسوں رات مجھے اغوا کر لیا گیا تھا۔ مجھے جنگل میں ایک مکان کے اندر قید کر دیا گیا۔ کسی نہ کسی طرح میں وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور تغلق آباد کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گیا، وہاں سے سیدھا یہیں آیا ہوں۔" اس نے بتایا۔

"لیکن آزاد ہونے کے بعد آپ اپنے گھر کیوں نہیں گئے؟" محمود نے سوال کیا۔

"مجھے ڈر تھا کہ کہیں پھر نہ اغوا کر لیا جاؤں۔ اپنے بھانجے رحمان اختر سے میں نے تم لوگوں اور تمہارے والد کے بارے میں اکثر سنا تھا، اس لیے میں نے سوچا، کیوں نہ آپ سے مدد لی جائے۔"

"آپ پولیس اسٹیشن بھی تو جا سکتے تھے۔"

"مجھے پولیس پر اعتماد نہیں۔ ان کا کام تو دن رات رشوت لینا ہے۔ نہ جانے کب ہمارا ملک رشوت کی لعنت سے پاک ہو گا۔" اس نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں ساری کہانی تفصیل سے تمہارے والد کو سناؤں گا اور پھر جو وہ کہیں گے کروں گا — لیکن تم نے بتایا نہیں کہ تغلق آباد کا نام سن کر اچھلے کیوں تھے؟"

"اس لیے کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے آپ کے بھانجے اور ہمارے دوست رحمان اختر نے فون کیا تھا۔ اس نے آپ کی گمشدگی کی اطلاع دیتے ہوئے

ہمیں تغلق آباد پہنچنے کی دعوت دی تھی۔"

"اوہ۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"اب اگر آپ سستا چکے ہوں تو ہم آپ کو دفتر لے چلتے ہیں، یا پھر آپ شام تک آرام کریں، ابا جان سے یہیں بات کر لیجیے گا۔"

"نہیں، میں ان سے جلد از جلد ملاقات کر لینا چاہتا ہوں — میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ سوچ رہا ہوں، آخر مجھے اغوا کرنے والے کون تھے، وہ کیا چاہتے تھے، کیا وہ پھر مجھے اغوا کرنے کی کوشش کریں گے؟"

"یہ سوالات ذہن میں پیدا ہونا قدرتی بات ہے۔ ہاں، یہ تو بتائیے، آپ کا کاروبار کیا ہے؟"

"تغلق آباد میں ایک ہزار ایکڑ زرخیز زمین کا مالک ہوں، ہر سال بڑی شاندار فصلیں ہوتی ہیں۔ شاید کوئی میری زمینوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔"

"آپ کے بچے کتنے ہیں؟" فاروق نے سوال کیا۔

"افسوس، میرے ہاں کوئی اولاد نہیں، بس ایک بیوی ہے — اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، لیکن وہ ابھی دو سال کا ہی تھا کہ فوت ہو گیا۔"

"اس کا مطلب ہے آپ کی زمینوں کے وارث آپ کے بھانجے بھانجی اور بیوی ہیں۔"

"ہاں۔" اس نے کہا — مجھے میں حیرت بھی تھی۔ شاید وہ انہیں اس قسم کے سوالات کرتے دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔

"اب میں آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں، بغیر جھجک کے جواب دیجیے گا — کیا ان لوگوں میں سے کوئی آپ کے خلاف سازش کرسکتا ہے؟"

"نہیں، ہرگز نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"کیا رحمان اختر کے ماں اور باپ بھی نہیں کرسکتے؟"

"نہیں، وہ ایسے نہیں ہیں۔" اس نے پختہ لہجے میں کہا۔

"اور آپ کی بیوی؟"

"اس میں اتنی عقل کہاں، وہ تو اللہ میاں کی گائے ہے۔"

"ہوسکتا ہے، انہیں کسی نے اکسایا ہو؟"

"نہیں، بھلا اُسے کون اکسائے گا، اس کا ایک بھائی ضرور بدمعاش ٹائپ آدمی ہے، قصبے کا خطرناک آدمی سمجھا جاتا ہے، لیکن بہن کے خاوند پر ہاتھ وہ بھی نہیں ڈال سکتا، کیونکہ اسے کسی سے محبت ہو نہ ہو اپنی بہن سے بہت محبت ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں، اس کا فیصلہ ابا جان کریں گے کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے، بہرحال ہم ابھی تھوڑی دیر پہلے تغلق آباد جانے کا جو پروگرام بنا رہے تھے، وہ ضرور ختم ہوگیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"کیوں کیوں، تم لوگ بڑی خوشی سے وہاں چل کر رہ سکتے ہیں۔"

"اب کیا ضرورت ہے، آپ تو مل ہی گئے ہیں۔" فاروق نے مایوسانہ لہجے میں کہا، جیسے زبردست مایوس ہوا ہو۔

عین اسی وقت انہیں بیگم شیرازی اندر آتے نظر آئیں۔ رحمان اختر کے ماموں کے لیے دروازہ کھولنے کے بعد انہیں دروازہ اندر سے بند کرنے کا خیال نہیں رہا تھا۔

"آپ نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا؟" محمود نے بیگم شیرازی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا —

"میرا نام فیروز لودھی ہے۔"

"بھئی تم لوگوں کا پھر فون آیا ہے —" بیگم شیرازی یہ کہتے ہوئے مسکرائیں اور پھر واپس مڑ گئیں، لیکن پھر چونک کر مڑیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے ان کی آنکھوں میں حیرت کے واضح آثار دیکھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتے، وہ رخ موڑ کر باہر نکل گئیں۔ محمود نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا:

"آؤ فاروق فون سن آئیں —"

"میں بھی چلتی ہوں۔" فرزانہ جلدی سے بولی — پھر فیروز لودھی کی طرف مڑی:

"آپ تشریف رکھیں، ہم ابھی آتے ہیں۔ امید ہے، آپ برا نہیں مانیں گے۔"

"نہیں نہیں، بھلا اس میں برا ماننے والی کیا بات ہے۔" فیروز لودھی بولا۔ تینوں گھر سے باہر نکل کر بیگم شیرازی کے دروازے کی طرف چلے۔ وہ ابھی راستے میں ہی تھیں۔

"آنٹی، آپ کس بات پر حیران ہوئی ہیں؟"

"یہ کون ہے جو تم لوگوں کے پاس بیٹھا تھا؟" انہوں نے پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ یہ ہمارے دوست کا ماموں ہے۔ اس دوست کا جس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے فون کیا تھا، اُس نے فون پر ہمیں اطلاع دی تھی کہ اس کے ماموں گم ہو گئے ہیں۔ اب یہ کس قدر حیرت انگیز اتفاق ہے کہ اِدھر اس شخص کی گمشدگی کی اطلاع ملی، اُدھر یہ ہم تک پہنچ گیا۔" محمود نے انہیں بتایا۔

"ہوں! خدا جانے میں اسے دیکھ کر حیران کیوں ہوئی ہوں۔ میں نے کوشش کی تھی کہ وہ میری حیرت کو بھانپ نہ لے اور اس نے میری طرف دیکھا بھی نہیں — دراصل مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ کہاں دیکھا ہے، یہ یاد نہیں آ رہا۔"

"جونہی آپ کو یاد آ جائے، ہمیں بتا دیجیے گا۔" محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

"میں ذہن پر زور تو دے رہی ہوں — کہہ نہیں سکتی، یاد آئے گا یا نہیں۔" بیگم شیرازی کے لہجے میں اُلجھن تھی۔

"خیر کوئی بات نہیں، آپ پریشان نہ ہوں۔ بس اس کی صورت نگاہ میں رکھیں، بلکہ ابھی تھوڑی دیر بعد ہم اسے لے کر گھر سے نکلیں گے، اس وقت آپ اسے ایک بار پھر غور سے دیکھ لیجیے گا — شاید آپ کو یاد آ جائے۔"

"ارے، ہم تو یہاں فون سننے آئے تھے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

تینوں فون کی طرف لپکے، محمود نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔ اس نے کہا۔

"ہیلو! میں محمود ہوں۔ آپ کون صاحب ہیں؟"

دوسری طرف سے آنے والی آواز سن کر محمود چونک پڑا اور پھر اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ اس قدر پھیلیں کہ فاروق اور فرزانہ کو خوف محسوس ہونے لگا، کہیں اس کی آنکھیں پھٹ نہ پڑیں، لیکن اسی وقت ریسیور محمود کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا، وہ پتھر کے بت کی مانند کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

○

"کیا ہوا محمود... کیا فون سننے کے بعد تم سو گئے ہو یا فون کرنے والے کی آواز میں زہر تھا جس نے تم پر سکتے کا عالم طاری کر دیا ہے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فون کرنے والے کی آواز بہت ہی میٹھی ہو اور اس کی مٹھاس سے محمود کے ہونٹ چپک گئے ہوں۔" فاروق بول اٹھا۔

"بے وقوف ہو تم، محمود نے بات ہونٹوں سے نہیں، کانوں سے سنی ہے۔" فرزانہ نے اُسے گھورا۔

"اوہ، تو اس بے چارے کے کان چپک گئے ہیں اور یہ سمجھ رہا

ہے کہ ہونٹ چپکے ہیں۔" فاروق بھلا کہاں رکنے والا تھا۔

"کیا چپک چپک کرنا شروع کر دیا ہے، خاموش رہو اور محمود کو کچھ کہنے کا موقع دو۔ الجھن اور پریشانی میں ہر لمحے اضافہ ہو رہا ہے، اچھے بھلے بیٹھے تھے کہ تمہارے دوست کا فون آ گیا اور پھر دوست کے ماموں چلے آئے جن کی گمشدگی کی اطلاع دوست نے فون پر دی تھی۔ پھر بیگم شیرازی اس آنے والے کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔ یکایک کیا شروع ہو گیا ہے۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"اگر تم اسی رفتار سے بولتی رہیں تو ضرور ہی محمود بتانے میں کامیاب ہو جائے گا۔" فاروق نے جل کر کہا اور فرزانہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے ــــ دونوں محمود کی طرف دیکھنے لگے، مگر وہ تو ابھی تک ساکت کھڑا تھا، اس دوران اس نے پلک تک نہ جھپکی تھی۔

"یا اللہ خیر، محمود تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" فرزانہ گھبرا کر بولی۔ اس پر بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"یار محمود، ہم اس وقت کوہ قاف میں نہیں کھڑے جہاں تم نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا اور پتھر میں تبدیل ہو گئے ہو۔ یہ آنٹی بیگم شیرازی کا گھر ہے اور ہم فون والے کمرے میں کھڑے ہیں۔ تم نے ابھی ابھی کسی کا فون سنا ہے، کیا اب تم بتاؤ گے کہ وہ فون کس کا تھا؟" فاروق نے لمبی چوڑی تقریر جھاڑ دی۔ اب محمود کے پپوٹوں میں حرکت ہوئی، اس نے حیران ہو کر ان دونوں کو دیکھا اور پھر اس طرح بولا جیسے

اچانک گہری نیند سے جاگا ہو۔

"میں کہاں ہوں؟"

"لو اور سنو...... اب انہیں پھر یہ بتانا پڑے گا کہ یہ کہاں ہیں۔ ارے بھائی ہم آنٹی کے گھر میں ہیں۔"

"اوہ، یاد آیا ــــ اُف خدا یہ کیا ماجرا ہے۔" محمود نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ اس کی آنکھوں میں اب تک حیرت تیر رہی تھی۔

"یار کچھ بتاؤ گے بھی یا یونہی ادھر ادھر کی ہانکتے رہو گے۔"

"سنو، فون رحمان اختر نے کیا تھا۔"

"کیا؟" دونوں چلا اٹھے۔

ان کی آواز سن کر بیگم شیرازی گھبراہٹ کے عالم میں دوڑتی ہوئی کمرے میں آ گئیں۔

"کیا ہوا، خیر تو ہے؟"

"کچھ نہیں آنٹی ــــ ان دونوں پر چلانے کا دورہ پڑا تھا۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ارے، ان پر یہ دورہ کب سے پڑنے لگا ہے؟"

"بہت پرانا مرض ہے۔" محمود نے کہا اور بیگم شیرازی مسکراتے ہوئے واپس لوٹ گئیں۔

"اگر اب تم اتنے زور سے چلائے تو میں ایک لفظ بھی نہیں بتاؤں گا۔"

"پہلے یہ بتاؤ' جو بات تم بتانے والے ہو اس کے سننے کے بعد چلانے کے امکانات کتنے فی صد ہیں؟" فاروق نے مسکرا کر پوچھا۔

"امکانات تو سو فیصد ہیں۔" محمود نے کہا۔

"پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم نہ چلائیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اپنے منہ بند کر لو' ان پر ہاتھ رکھ لو۔"

"بہت اچھا۔" فاروق نے کہا اور دونوں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیے۔

"فون واقعی رحمان اختر نے ہی کیا تھا۔ جانتے ہو' اس نے کیا بتایا ہے؟"

دونوں نے نفی میں سر ہلائے' کیونکہ منہ تو بند تھے۔

"ہاں تم اشارے سے ہی جواب دو' تم دونوں کے لیے یہی بہتر ہے۔۔۔ تو سنو' اس نے ایک ایسی حیرت انگیز بات سنائی ہے کہ ہم نے ایسی حیرت انگیز باتیں بہت کم سنی ہوں گی۔ اس کے فوراً بعد ہی ہمیں یہ فیصلہ بھی کرنا ہے کہ ہم کیا کریں۔" محمود نے کہا۔۔۔ اس نے دیکھا' فاروق اور فرزانہ کے چہروں پر ناگواری کے اثرات تھے۔ وہ اگر اب بھی نہ بتاتا تو ان کے منہ دوبارہ کھل جاتے؛ لہذا اس نے کہا:

"رحمان اختر نے کہا ہے کہ اس کے ماموں واپس آ گئے ہیں' اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا؟" دونوں کے ہاتھ منہ پر سے ہٹ گئے۔۔۔ وہ اپنی چیخوں کو کسی طرح بھی نہ روک سکے۔۔۔ اسی وقت انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔۔۔

گاڑی میں حملہ

قدموں کی آواز سن کر بھی وہ نہ چونکے۔۔۔ حیرت کے مارے بت بنے کھڑے رہے۔۔۔ دوڑ کر اندر آنے والی بیگم شیرازی تھیں۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"اب کیا ہوا؟" انہوں نے کہا۔

"امی' دراصل اس وقت ہم ایک عجیب و غریب صورت حال سے دوچار ہیں' فون پر ہمیں ایک حیرت انگیز اطلاع ملی ہے' بس ہم اسے سن کر چلا اٹھے تھے اور کوئی بات نہیں۔" محمود نے کہا۔

"خیر' پہلے تم اپنے مہمان سے نمٹ لو۔۔۔ پھر پوچھوں گی کہ وہ کیا صورت حال ہے۔" بیگم شیرازی مسکرائیں۔

"بالکل ٹھیک' اچھا اب ہم چلتے ہیں۔"

تینوں ان کے گھر سے نکلے۔ فرزانہ نے کہا:

"اب ہم کیا کریں؟" فاروق نے کہا۔

"کرنا کیا ہے۔ فیروز رومی کے گھر' جان کے پاس جائیں گے۔" محمود نے کہا۔

"لیکن اس سے پہلے انہیں اصل بات تو معلوم ہو جانی چاہیے۔"

اسی صورت میں وہ کوئی فیصلہ کر سکیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے، انہیں پورے حالات بتانا ضروری ہے۔ خیر اس کی ترکیب بہت آسان ہے۔ میں اور فاروق فیروز لودھی کو لے کر ابا جان کے پاس چلے جاتے ہیں۔ ہمارے گھر سے نکلتے ہی فرزانہ ابا جان کو فون پر سب کچھ بتا دے گی۔"

"ترکیب تو اچھی ہے، مگر فرزانہ کی بجائے تم نے بتائی ہے، اس لیے کچھ کہا نہیں جا سکتا، کامیاب بھی رہے گی یا نہیں؟"

"تم لوگ فیروز لودھی کو لے کر چلو، میں ٹھہروں گی، اگر وہ میرے بارے میں پوچھے تو تم کہہ سکتے ہو، آنٹی سے باتوں میں لگ گئی ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" محمود نے کہا اور دونوں اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ فیروز لودھی ان کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا، انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر بولا:

"اب ہمیں چل پڑنا چاہیے۔"

"جی ہاں، ہم تیار ہیں، چلیے۔" محمود نے کہا۔

"امی جان، ہم ذرا انہیں ابا جان کے پاس لے کر جا رہے ہیں۔"

"اچھا۔" بیگم جمشید نے اندر ہی سے کہا۔ تھوڑی دیر پہلے انہوں نے کسی کے اندر آنے اور ان سے باتیں کرنے کی آواز سنی تھی اور اڑتی پڑتی گفتگو سننے میں کامیاب بھی ہو گئی تھیں، اس لیے انہوں نے باہر نکل کر یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ آنے والے کو دفتر لے جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے۔

گھر سے باہر نکل کر انہوں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دونوں مطمئن تھے کہ فرزانہ پورے حالات ان کے والد کو بتا دے گی۔

انسپکٹر جمشید دفتر میں موجود تھے۔ حسب معمول اکرام کونے والی میز پر بیٹھا فائلوں میں گم تھا۔ ان کی آواز سن کر دونوں چونک اٹھے۔

"ابا جان، السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام، خیر تو ہے۔ دفتر آنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔ ساتھ ہی ان کی نظر فیروز لودھی پر پڑی۔ ابھی محمود یا فاروق نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ چپراسی نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا:

"سر، فون ٹھیک کرنے والے آ گئے ہیں۔"

"شکر ہے، صبح سے الجھن پیش آ رہی تھی۔ نہ جانے آج پورے محکمے کے فونوں کو ہو کیا گیا ہے، پہلے تو شاید وہ مین لائن چیک کریں گے۔"

"جی ہاں۔" اس نے کہا اور باہر نکل گیا۔

"ہاں بھئی، اب بتاؤ کیا ماجرا ہے، مگر پہلے تم بیٹھ تو جاؤ، آپ بھی تشریف رکھیے۔" انہوں نے پہلے دونوں سے پھر فیروز لودھی سے کہا۔

مگر وہ دونوں کیا بتاتے۔ ان کا پروگرام تو دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ پورے دفتر کا ٹیلی فون سسٹم تو صبح سے خراب تھا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ فرزانہ انہیں فون نہیں کر سکی تھی اور انہوں نے جو سوچا تھا، وہ نہیں ہوا تھا۔ آخر محمود نے سوچ سمجھ کر کہنا شروع کیا:

"ابا جان، آج صبح سویرے تغلق آباد سے ہمارے دوست رحمان اختر کا فون آیا تھا۔ وہ ہمارا بہت گہرا دوست ہے۔ فون پر اس نے اطلاع دی کہ اس کے ماموں گم ہو گئے ہیں، وہ سب بہت پریشان ہیں۔ اس نے مدد کے لیے فوراً تغلق آباد پہنچنے کی درخواست بھی کی۔ ہم نے اس سے کہہ دیا کہ آپ سے بات کرنے کے بعد ہی آ سکیں گے، ابھی فون کو آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ یہ صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے اپنا نام فیروز تغلق بتایا ہے..... اور کہا کہ سیدھے تغلق آباد سے آ رہے ہیں اور جب انہوں نے یہ بتایا کہ یہ ہمارے دوست رحمان اختر کے ماموں ہیں تو ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی..... انہوں نے یہ کہانی سنائی کہ انہیں اغوا کر کے ایک جنگل کے مکان میں قید کر دیا گیا تھا۔ وہاں سے یہ کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور سیدھے ہمارے پاس چلے آئے، آپ گھر سے دفتر آ چکے تھے، اس لیے ہمیں انہیں لے کر یہاں آنا پڑا — ان کا بیان ہے کہ یہ تغلق آباد میں بہت ساری زمینوں کے مالک ہیں..... اب یہ دوبارہ وہاں جانے میں خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ آپ ہی بتائیے ان کے لیے کیا کیا جائے؟" محمود

یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"ہوں، آپ کو جس مکان میں قید رکھا گیا، کیا آپ اس تک دوبارہ جا سکتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے فیروز لودھی سے پوچھا۔

"جی ہاں" اس نے کہا۔

"کیا آپ نے آنے سے پہلے پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی؟"

"جی نہیں، سیدھا ادھر ہی چلا آیا تھا۔"

"خوب، اب واپس جا کر آپ سب سے پہلے رپورٹ درج کرا دیجیے گا۔"

"بہت اچھا، لیکن پولیس والے میری جان کی کیا حفاظت کر سکیں گے، انہیں تو بس ادھر ادھر سے ناجائز رقوم اکٹھی کرنا آتا ہے۔" فیروز لودھی نے پریشان ہو کر کہا۔

"فکر نہ کریں، آپ میرے بچوں کے دوست کے ماموں ہیں — میں اپنے تینوں بچوں کو آپ کے ساتھ ہی بھیج رہا ہوں — یہ جا کر سب کچھ دیکھ لیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ، کیا آپ نہیں آئیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"اگر ضرورت پڑی تو یہ مجھے اطلاع دے دیں گے، اور میں بھی آ جاؤں گا، ویسے مجھے یقین ہے کہ یہ تینوں ہی کافی ہوں گے۔" انہوں نے کہا، پھر فاروق اور محمود سے بولے:

"تم تینوں ان کے ساتھ ہی گاڑی میں سوار ہو جاؤ۔ فرزانہ کو گھر سے

لے لو، اپنی امی سے سفر خرچ کے طور پر ایک ہزار روپے لے لینا — اگر
وہاں جا کر اور ضرورت پڑ جائے تو مجھے فون کر دینا..... جب تک میری
انتہائی ضرورت نہ پڑے، مجھے نہ بلانا، خود ہی سارے معاملات سے نمٹ
لینا، میں ان دنوں چند پرانے کیسوں کے سلسلے میں مصروف ہوں۔ کچھ
بہت ہی خاص لوگ جرائم کی دنیا سے اس طرح غائب ہو گئے ہیں
جیسے گدھے کے سر سے سینگ — مجھے یہ معلوم کرنا ہے، وہ کیوں غائب
ہو گئے ہیں اور کہاں — کہیں ان کا غائب ہونا ملک کے لیے کسی
طرح بھی خطرناک تو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں تم تینوں کو بھیج رہا ہوں۔
اپنے دوست کی مدد کرنا تمہارا فرض ہے۔ اگر معاملہ قانونی نکلے تو
پولیس کی مدد لے سکتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے اچھی خاصی تقریر جھاڑ دی۔

"جی بہت اچھا۔" محمود نے کہا۔

"بس اب جاؤ، تغلق آباد کے لیے گاڑی شاید بارہ بجے کے قریب
جاتی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

تینوں دفتر سے باہر نکل آئے۔ محمود اور فاروق بہت پریشان تھے
وہ اپنے والد کو دوسرے فون پر ملنے والے پیغام کے بارے میں بھی بتانا
چاہتے تھے جس کے بارے میں فرزانہ انہیں اطلاع نہیں دے سکی
تھی۔ اچانک محمود نے کہا:

"یار فاروق، میں ابا جان کو چابیوں کے بارے میں تو بتانا بھول
ہی گیا۔"

"اوہ، وہ بعد میں پریشان ہوں گے۔ جلدی سے جا کر بتا آؤ۔" فاروق
بولا اور محمود فوراً ہی مڑا اور دوبارہ دفتر میں داخل ہو گیا۔

"ابا جان۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"جو کچھ کہا ہے وہ کرو، مجھے کوئی بات بتانے کی ضرورت نہیں۔
اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا — جاؤ، فوراً دفتر سے نکل جاؤ۔" انسپکٹر جمشید تیز
آواز میں بولے۔ ان کی آواز یقیناً دفتر سے باہر کھڑے فاروق اور فیروز
لودھی نے بھی سن لی۔

"میں تو چابیوں......"

"مجھے معلوم ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

اور محمود ہکا بکا سا دفتر سے نکل آیا۔ اپنے والد کا رویہ اس کی سمجھ
سے باہر تھا اور اب وہ دونوں یہ سوچ رہے تھے — نہ جانے تغلق آباد
میں کیا حالات پیش آئیں۔ جب وہ رحمان اختر کے ماموں کے گھر پہنچیں
گے تو کیا ہوگا! رحمان اختر کا کہنا یہ ہے کہ اس کے ماموں مل گئے
ہیں — جب کہ ایک ماموں کو وہ اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے —

○

انھوں نے انسپکٹر جمشید کی ہدایت پر حرف بحرف عمل کیا تھا اور
اب تینوں فیروز لودھی کے ساتھ فرسٹ کلاس کے ایک ڈبے میں سفر کر
رہے تھے۔ ٹکٹ انھوں نے ہی خریدے تھے۔ اگرچہ فیروز لودھی اس پر

بلند تھا کہ ٹکٹ وہ خریدے گا، لیکن محمود، فاروق اور فرزانہ سے وہ بازی نہ لے جا سکا۔ فاروق نے انتہائی پھرتی دکھائی تھی اور اُس سے پہلے بکنگ کی کھڑکی تک پہنچ گیا تھا ــ ٹکٹ لے کر واپس آتے ہوئے اس نے مسکرا کر کہا تھا:

"آپ ہمارے دوست کے ماموں ہیں، ہمارے بھی ماموں ہی ہوئے۔"

رحمان اختر نے فون پر انہیں اپنے ماموں کے گھر کا پتا بھی بتایا تھا اور اب تو وہ بغیر پتے کے بھی وہاں پہنچ سکتے تھے، خود گھر کا مالک ان کے ساتھ تھا ــ بشرطیکہ وہ مالک تھا۔ خدا جانے کیا چکر تھا۔ ابھی تو انہیں اس معاملے کے سر پیر کا بالکل بھی پتا نہیں تھا۔ وہ اس سے پہلے کبھی تغلق آباد گئے بھی نہیں تھے۔ انہیں صرف اتنا معلوم تھا کہ چھوٹا سا قصبہ ہے جس میں ہر طرف کھیت ہی کھیت ہیں اور وہاں کے گنے بہت مشہور ہیں۔

"ویسے انکل، اگر آپ ابھی ذرا غور کریں تو یہ بات معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کون ہے جو آپ سے دشمنی کر رہا ہے ــ آخر کوئی تو ہے جسے آپ کی عدم موجودگی میں بہت فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔" محمود نے کہا۔

"میں تو سوچ سوچ کر تھک چکا ہوں۔ میرے کوئی اولاد نہیں ہے، اگر ہوتی تو میرے بعد وہی زمینوں کی مالک ہوتی، ان کے نہ ہونے کی صورت میں میرے بھانجے اور بھانجی ہی مالک ہیں۔ ظاہر ہے کہ

انہیں یا ان کے والدین کو تو کوئی گڑبڑ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، یوں بھی رحمان اور حسنہ کے والد بہت ہی نیک آدمی ہیں، انہیں تو تم جانتے ہی ہو گے۔"

"جی ہاں، ہم ان سے دو تین مرتبہ مل چکے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"دور پار کا کوئی رشتے دار اگر یہ حرکت کرے تو اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اسی لیے میں حیران ہوں کہ یہ حرکت کس نے کی اور کیوں کی؟" فیروز لودھی نے اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خیر، کوئی بات نہیں، ہم بہت جلد معلوم کر لیں گے، آپ فکر نہ کریں۔" فرزانہ بولی۔

اسی وقت گاڑی کی رفتار کم ہو گئی۔ شاید کوئی اسٹیشن آ رہا تھا اور پھر گاڑی رک گئی۔ انہوں نے کھانے پینے کی کچھ چیزیں خریدیں۔ گاڑی دوبارہ چلی ہی تھی کہ تین لمبے چوڑے آدمی ڈبے میں سوار ہو گئے۔ ان کے چہروں پر شرافت کا دُور دُور تک پتا نہ تھا۔

"یہ فرسٹ کلاس ہے۔" فیروز لودھی نے تلملا کر کہا۔

"تو کیا صرف تم لوگوں کے لیے مخصوص ہے؟" ان میں سے ایک نے مسکرا کر کہا۔ اس کی مسکراہٹ نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو چونکا دیا۔

"نہیں۔" فیروز لودھی کے منہ سے نکلا۔

"بس تو پھر ہمارے پاس فرسٹ کلاس کے ٹکٹ ہیں۔" پہلے نے ڈھٹائی سے کہا۔

"بہت خوب، آپ بڑی خوشی سے اِس ڈبے میں سفر کر سکتے ہیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"وہ تو ہم کریں گے ہی۔"

یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ تینوں ان کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ان کے چہروں پر طنزیہ مسکراہٹیں ناچنے لگیں۔ فیروز لودھی انہیں اُلجھی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ گاڑی کی چھکا چھک کے سوا کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہے کہ ان... تینوں کا ڈبے میں سوار ہونا صرف اتفاق نہیں ہو سکتا۔

"یہ..... ہم لوگ خاموش کیوں ہو گئے۔" دفعتاً فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا۔ "ہمارے نئے ہم سفروں نے ہمیں بولنے سے منع تھوڑا ہی کر دیا ہے۔"

"اوہ ہاں..... نہیں تو..... ان بے چاروں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کہی۔" محمود بولا۔

"تو پھر باتیں کرو۔" فرزانہ بولی۔

"باتیں..... لیکن کیا باتیں کریں؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ فاروق نے کہا ہے، جس کے آگے باتیں پانی بھرتی ہیں۔" محمود کے لہجے میں بھی حیرت تھی۔

"نہیں تو، خدا کی قسم میں نے آج تک باتوں کو پانی بھرتے نہیں دیکھا۔"

فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"اُلّو مت بناؤ، تم اتنے کم عقل نہیں کہ اس محاورے کا مطلب نہ جانتے ہو گے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"تو کیا تم جانتے ہو کہ فاروق کتنا کم عقل ہے؟" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"دیکھا شروع ہو گئیں نا باتیں۔" فاروق نے محمود کے کچھ بولنے سے پہلے کہا۔

"مانتا ہوں بھئی..... بہت....."

فاروق کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت انہوں نے چاقو کھلنے کی کڑکڑاہٹ سنی تھی۔ یہ کڑکڑاہٹ گاڑی کی چھکا چھک میں اور بھی خوفناک لگی، لیکن صرف فیروز لودھی کو، کیونکہ محمود، فاروق اور فرزانہ کے لیے تو یہ پہلا موقع نہیں تھا۔

انہوں نے دیکھا، وہ تینوں اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ چاقو ان میں سے صرف ایک کے ہاتھ میں تھا، باقی دو غیر مسلح تھے، البتہ ان کے ہاتھوں میں ریشمی رومال ضرور تھے۔ ریشمی رومالوں کے درمیانی کونوں کو پکڑ کر وہ ان کی طرف بڑھنے لگے۔

فیروز لودھی تھر تھر کانپنے لگا۔

دروازے پر

محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہروں پر طنزیہ مسکراہٹیں دوڑ آئیں۔ فاروق نے شوخ لہجے میں کہا:

"تم لوگ رومالوں کا کاروبار تو نہیں کرتے۔ یوں لگتا ہے، جیسے رومالوں کا نمونہ دکھانے کے لیے آگے بڑھ رہے ہو، اگر بات صرف اتنی ہے تو ٹھیک ہے؛ ورنہ اپنی جگہ آرام سے بیٹھے رہو، کیونکہ چلتی گاڑی میں چلنا پھرنا بُری بات ہے۔"

"ان رومالوں سے تم تینوں کا گلا گھونٹیں گے اور اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔" چاقو والے نے کہا۔

"لیکن کیوں — ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" محمود نے کہا۔

"اگر بگاڑا نہیں تو سنوارا بھی کیا ہے کہ ہم تمہیں چھوڑ دیں۔" چاقو والا بولا۔ دوسرے دو اب نزدیک آ گئے تھے۔

"اگر تم کوئی سفری ڈاکو ہو تو ہم صاف صاف لفظوں میں بتائے دیتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک ہزار روپے ہیں، وہ لے لو اور دنگا فساد نہ کرو، کہیں تم لوگوں کو کوئی چوٹ نہ آ جائے۔ ہاں اس میں تمہارا ہی بھلا ہے — بعد میں تم پچھتاؤ گے، اگر اس وقت تم نے یہ کام کو چلو نکالو،

ہزار روپے تو اس وقت ہم تمہیں پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے، سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"بکو مت۔"

"ارے، یہ میں بک رہا ہوں۔ میرا تو خیال تھا، فرما رہا ہوں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا اور ساتھ ہی نیچے جھکا اور کمپارٹمنٹ کے دوسری طرف نکل گیا، کیونکہ ایک رومال والے نے عین اسی وقت اس کے گلے میں رومال ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

"ارے بھئی، یہ تو واقعی سنجیدہ ہیں، میرا خیال تھا، مذاق کر رہے ہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"ارے باپ رے، اب کیا ہوگا۔ یہ تین ہیں اور ہم..... دھت تیرے کی، ہم بھی تو تین ہی ہیں، نہیں — بلکہ انکل فیروز سمیت تو ہم چار ہیں۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"بھئی آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو، کیا زبانی بات نہیں کر سکتے؟" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا — ایک ان میں سے مڑ کر فاروق کی طرف رُخ کر رہا تھا اور دوسرا محمود کے سر پر پہنچ چکا تھا، محمود اچانک پاؤں پر اچھلا۔ اس کا سر زور سے رومال والے کی ٹھوڑی سے ٹکرایا — جبڑے آپس میں ٹکرائے اور اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

"کیا چیز بھی تھی؟" اس نے گھبرا کر کہا۔ ساتھ ہی پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

"ہاتھی کے دانت جو دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور، اس وقت انہوں نے دکھانے والے دانت استعمال کیے تھے۔" فرزانہ نے بتایا۔

"اس اطلاع کے لیے شکریہ۔" محمود نے کہا۔ اتنی دیر میں پہلا فاروق پر حملہ آور ہو چکا تھا، لیکن فاروق کے جسم کو تو وہ ہاتھ بھی نہ لگا سکا؛ البتہ خود کمپارٹمنٹ کی دیوار سے منہ کے بل جا ٹکرایا۔ عین اسی وقت محمود نے چاقو والے کی کمر پر ایک زوردار لات رسید کی۔ وہ بے خبر تھا اور شاید اس کا خیال یہ تھا کہ اس کے ہاتھ میں چاقو دیکھ کر وہ اس کی طرف آنے کی جرأت بھی نہیں کریں گے۔ اس بے خبری کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اوندھے منہ گرا، ساتھ ہی اس کے حلق سے ایک تھرا دینے والی چیخ نکلی، وہ لرز اٹھے..... کیونکہ یہ چیخ ایسی نہیں تھی جو معمولی چوٹ لگنے سے آئی ہو۔ اسی وقت انہوں نے دیکھا، چیخنے والا تڑپتا ہوا سیدھا ہو گیا، اس کا خنجر اس کے پیٹ میں دھنسا ہوا تھا اور زخم کے چاروں طرف سے خون نکل نکل کر کمپارٹمنٹ کے فرش پر پھیلتا جا رہا تھا۔ ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ سب تھوڑی دیر کے لیے ساکت رہ گئے۔ پھر چاقو والے دوسرے ساتھی وحشیانہ انداز میں ان پر جھپٹے۔ تینوں اگر تیزی نہ دکھاتے تو ان کا بچنا مشکل تھا۔ ادھر ادھر چھلانگیں لگا کر انہوں نے خود کو بچایا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ دونوں سنبھلتے، انہوں نے اس کھیل کو ختم کر دینا ہی مناسب سمجھا، کیونکہ اپنے ساتھی کو زخمی دیکھ کر ان پر

بلا کی درندگی سوار ہو گئی تھی۔ اس مرتبہ محمود اور فاروق نے اپنے ہاتھ کی ہڈی کو برق رفتاری سے استعمال کیا اور وہ ہلکی سی کراہ نکال کر ڈھیر ہو گئے۔

"بہت خوب! اب زنجیر کھینچ دو۔ انہیں ریلوے پولیس کے حوالے کر کے ہی ہم آگے چلیں گے، کہیں ان میں سے پھر کسی کو ہوش آ گیا تو پھر سے کبڈی کھیلنی ہو گی۔" فرزانہ نے کہا اور محمود نے زنجیر کھینچ دی۔ گاڑی آہستہ آہستہ رکتی چلی گئی۔ ریلوے گارڈ اور دو پولیس آفیسر اندر داخل ہوئے۔

"کیا بات ہے؟ زنجیر کیوں....."

گارڈ کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ فرش پر پڑے تین بیہوش آدمی دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پھر انہوں نے جلدی جلدی ساری بات انہیں بتائی اور وہ انہیں اٹھائے جانے کی تیاری کرنے لگے۔ پولیس کانسٹیبلوں کے ذریعے انہیں اٹھوایا گیا۔ جب وہ باہر نکل رہے تھے تو محمود نے کہا:

"کیا آپ انہیں تغلق آباد کی پولیس کے حوالے کریں گے؟"

"ہاں، تم نے یہ کیوں پوچھا؟"

"ہم ان سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے ہم پر حملہ کیوں کیا تھا؟"

"ظاہر ہے کہ یہ آپ لوگوں کو لوٹ لینا چاہتے تھے، ایسے ڈاکو تو ریل

میں عام طور پر پڑھ جاتے ہیں۔"

"ہوں، آپ کا خیال ٹھیک ہے۔"

محمود نے کہا اور وہ چلے گئے۔ گاڑی ایک بار پھر روانہ ہو گئی۔ انہوں نے یہی بتایا تھا کہ چاقو والا اپنی ہی جھونک میں گرا تھا اور اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا چاقو اس کے لگ گیا تھا۔ اس میں شک کرنے والی کوئی بات تھی بھی نہیں! تاہم ریلوے کا عملہ اور پولیس آفیسر اس بات پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے کہ انہوں نے ان لمبے چوڑے بدمعاشوں کا مقابلہ کیسے کر لیا۔

"انکل! کیا آپ نے ان تینوں میں سے کبھی کسی کو دیکھا ہے؟"

"ہاں۔" فیروز لودھی کے منہ سے نکلا اور تینوں دھک سے رہ گئے، کیونکہ ان کا تو خیال یہی تھا کہ حملہ آور ان کے لیے بالکل اجنبی ہوں گے۔ یوں بھی انہوں نے فیروز لودھی کی طرف تو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا، وہ تو صرف انہیں ہی اٹھا کر پھینک دینے کا ارادہ لے کر آئے تھے اور یہ بات کس قدر عجیب تھی۔ اس کا خیال انہیں ابھی آیا تھا۔

"آخر یہ لوگ ہمیں کیوں ختم کر دینا چاہتے تھے؟" فرزانہ کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"تاکہ ہم تغلق آباد نہ پہنچ سکیں۔" فاروق نے کہا۔

"بالکل یہی بات ہے۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"لیکن کسی کو ہمیں روکنے کی کیا ضرورت تھی..... آخر کون یہ چاہتا

ہے کہ ہم تغلق آباد نہ پہنچیں۔" فاروق نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس کا جواب تو وہی دے سکتا ہے جو ایسا چاہتا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"یہ ضرور وہی لوگ ہیں، جنہوں نے مجھے اغوا کیا تھا۔ تم لوگوں کو راستے سے ہٹا کر وہ مجھے پھر اغوا کرنا چاہتے ہوں گے۔" فیروز لودھی نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔ "اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ میرے لیے وہاں خطرہ ہی خطرہ ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہمارے ہوتے ہوئے وہ لوگ آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ آپ نے دیکھ ہی لیا، ہم نے ان کا کس طرح مقابلہ کیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"کاش، تمہارے والد بھی ساتھ آ جاتے۔" فیروز لودھی نے کہا۔

"اگر ہم نے ضرورت محسوس کی تو انہیں بھی بلا لیں گے۔"

محمود نے کہا اور کمپارٹمنٹ میں خاموشی چھا گئی۔ تغلق آباد پہنچنے تک اور کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ گاڑی سے اتر کر وہ اسٹیشن سے باہر نکلے تو محمود نے کہا:

"سب سے پہلے ہمیں پولیس اسٹیشن چل کر رپورٹ درج کرانی چاہیے، کیونکہ اباجان کی ہدایت یہی ہے۔"

"ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" فیروز لودھی نے کہا۔

انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور اس میں بیٹھ کر پولیس اسٹیشن پہنچ گئے۔

گیٹ ہی سے ہو کر جب وہ سب انسپکٹر کے کمرے میں داخل ہوئے تو
اس نے فیروز لودھی کو حیران ہو کر دیکھا:
"کیا کوئی بات درج کرانے سے رہ گئی ہے؟" اس کے منہ سے
نکلا۔

اور وہ دھک سے رہ گئے۔ فیروز لودھی نے جلدی سے کہا۔
"یہ کہنے سے کیا مطلب ہے آپ کا؟"
"جی! میرا مطلب ہے، ابھی ابھی آپ رپورٹ درج کرانے آئے
تھے، اب پھر آ گئے ہیں تو اس سے یہی مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ
کوئی بات درج ہونے سے رہ گئی ہے۔"
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — میں تو آپ کے پاس رپورٹ درج
کرانے ہرگز نہیں آیا، بلکہ میں تو ان تینوں بچوں کے ساتھ ابھی ابھی
دارالحکومت سے چلا آ رہا ہوں۔"
"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" سب انسپکٹر بھونچکا رہ گیا۔
"ہاں، ان تینوں سے تصدیق کر لیں۔ میں ان کے ساتھ ہی دارالحکومت
سے ٹرین پر سوار ہو کر آ رہا ہوں، بلکہ ٹرین پر ہم ایک حادثے کا شکار
بھی ہو گئے تھے، تین غنڈوں نے ہمارے کمپارٹمنٹ پر حملہ کر دیا تھا۔
انہیں ہم نے پولیس کے حوالے کر دیا اور وہ عنقریب یہاں پہنچنے والے
ہوں گے، وہ بھی اس بات کی تصدیق کریں گے کہ ہم ٹرین میں سفر کر
رہے تھے۔"

"آپ کا مطلب ہے، تھوڑی دیر پہلے یہاں جو صاحب رپورٹ درج
کرانے آئے تھے، وہ آپ نہیں تھے؟" سب انسپکٹر نے حیرت ظاہر کی۔
"ہرگز نہیں، وہ کوئی اور ہو گا، ہو سکتا ہے اُس کی شکل مجھ سے
ملتی جلتی ہو۔"
"اچھا خیر، آپ رپورٹ لکھوا دیں۔" سب انسپکٹر نے ہار مان کر کہا۔
"بہت بہت شکریہ۔" فیروز لودھی نے کہا اور جو کچھ پیش آیا تھا
لکھوانے لگا — لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا، سب انسپکٹر لکھتے لکھتے رُک
گیا۔ وہ مارے حیرت کے چلا اٹھا:
"نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ ضرور وہی ہیں جو ابھی ابھی رپورٹ
درج کرا گئے تھے۔"
"کیوں، اب کیا ہوا؟" فیروز لودھی نے حیران ہو کر کہا۔
"تھوڑی دیر پہلے جس کسی نے بھی رپورٹ درج کرائی تھی، وہ
ہوبہو یہی الفاظ تھے، یہی واقعہ تھا، یعنی انہوں نے بھی اپنا نام
فیروز لودھی بتایا تھا اور ان کے ساتھ بھی یہی حادثہ پیش آیا تھا یعنی
انہیں اغوا کر کے ایک جنگل کے مکان میں قید کر دیا گیا تھا جہاں سے
وہ کسی طرح نکل آنے میں کامیاب ہو گئے۔"
"نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فیروز لودھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
خود محمود، فاروق اور فرزانہ کا بھی مارے حیرت کے بُرا حال تھا،
دماغ بُری طرح چکرا رہے تھے۔ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ رحمان اختر کے

ماموں اس کے بیان کے مطابق مل گئے تھے، ادھر ان کے پاس بھی اس کے ایک ماموں پہنچ چکے تھے، لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ تغلق آباد والا ماموں ان سے پہلے بالکل وہی رپورٹ درج کرا جائے گا جو ان کے ساتھ والا ماموں — اور یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔

"اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر آپ بالکل وہی آدمی ہیں جو رپورٹ درج کرا کے چلے گئے تھے۔ شاید آپ بھول گئے کہ رپورٹ درج کرا چکے ہیں، اس لیے دوبارہ درج کرانے آ گئے ہیں، اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے؟" سب انسپکٹر نے پریشان ہو کر کہا۔

عین اسی وقت ایک جیپ تھانے کے باہر آ کر رکی۔ اس میں سے ریلوے پولیس کے کچھ آدمی دو قیدیوں کے ساتھ نیچے اترے، انہیں دیکھتے ہی محمود چلا اٹھا:

"لیجیے جناب، وہ آ گیا ثبوت — اب آپ کو یقین آ جائے گا کہ ہم واقعی دارالحکومت سے ٹرین میں سفر کر کے سیدھے یہاں چلے آ رہے ہیں۔ یہی وہ غنڈے ہیں جن سے ہمارا مقابلہ گاڑی کے اندر ہوا تھا۔"

"لیکن تھوڑی دیر پہلے تو آپ نے تین غنڈے کہا تھا۔"

"تیسرا شدید زخمی ہو گیا تھا — یہ لوگ اسے ہسپتال میں چھوڑ آئے ہوں گے۔"

"اوہ —" سب انسپکٹر کے منہ سے نکلا اور وہ آنے والوں کو گھورنے

لگا — شاید اسے چکر پر چکر آ رہے تھے۔ چکر تو فیروز لودھی، محمود، فاروق اور فرزانہ کو بھی آ رہے تھے، لیکن حالت زیادہ سب انسپکٹر اور فیروز لودھی کی خراب تھی۔

اور جب ریلوے آفیسر نے ان کے بیان کی تصدیق کر دی تو سب انسپکٹر کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔ کافی دیر تک سکتے کے عالم میں رہنے کے بعد اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا:

"شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں — ہاں ہاں، اس کے علاوہ بھلا کیا بات ہو سکتی ہے — ضرور یہ خواب ہے — خواب ہے۔"

○

"لیکن انسپکٹر صاحب، یہ خواب نہیں ہو سکتا۔" محمود مسکرایا۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" اس نے محمود کو گھورا۔

"آپ ہمارے ساتھ فیروز لودھی صاحب کے گھر چلیں۔ یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ آپ خواب نہیں دیکھ رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" سب انسپکٹر اور فیروز لودھی نے ایک ساتھ کہا۔

"مطلب میں کیسے سمجھاؤں، صرف ایک ہی راستہ ہے، جو رپورٹ یہ درج کرا گئے ہیں، کرا دیں۔" محمود بولا۔

"لیکن کسی افسر نے چیک کر لیا تو میں کیا جواب دوں گا، ایک ہی نام، ایک ہی رپورٹ، ایک ہی تاریخ — آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے"

فیروز لودھی صاحب کے بعد اور ان سے پہلے کوئی اور آدمی رپورٹ درج کرانے بھی نہیں آیا۔" سب انسپکٹر نے پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن دونوں رپورٹوں میں ایک فرق موجود تو ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب، فرق کس طرح موجود ہے؟" سب انسپکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔ دوسرے بھی اُسے گھورنے لگے۔ محمود اور فاروق بھی اس کی بات نہیں سمجھ سکے تھے۔

"ان سے پہلے جو صاحب رپورٹ درج کرا گئے ہیں، انہوں نے آخر میں یہی لکھوایا ہے نا کہ جنگل کے مکان سے نکل کر وہ گھر گئے اور پھر رپورٹ لکھوانے یہاں آ گئے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں، بالکل یہی لکھوایا گیا ہے۔"

"تو بس پھر، فرق تو ہو گیا — ان کا بیان یہ ہے کہ یہ جنگل کے مکان سے نکل کر سیدھے اسٹیشن پہنچے اور وہاں سے دارالحکومت گئے، ہم سے ملے اور ہمیں لے کر یہاں واپس آ گئے اور اب سیدھے اسٹیشن سے چلے آ رہے ہیں — کیا دونوں بیانات میں یہ واضح فرق نہیں ہے۔"

"واقعی، یہ فرق تو موجود ہے۔" سب انسپکٹر نے فرزانہ کو حیرت بھری نظروں سے گھورا، پھر بولا: "لیکن یہ جنگل کے مکان سے نکل کر گھر جانے کی بجائے دارالحکومت کیوں چلے گئے تھے؟"

"اس ڈر سے چلے گئے تھے کہ کہیں انہیں دوبارہ اغوا نہ کر لیا جائے۔"

محمود نے جواب دیا۔

"تو پھر اب کیوں آ گئے؟" سب انسپکٹر نے سوال کیا۔

"اب ہم اس کے ساتھ آئے ہیں۔ ہم ان کی حفاظت کریں گے۔"

"آپ حفاظت کریں گے۔" سب انسپکٹر نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"ہاں، آپ نے ان دو قیدیوں کا حال نہیں دیکھا۔ ان کا تیسرا ساتھی تو ہسپتال پہنچ گیا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"تو ان کی یہ حالت آپ لوگوں نے کی ہے؟"

"ہاں انسپکٹر صاحب، یہ بالکل سچ ہے، جو کچھ ہوا ہے میری آنکھوں کے سامنے ہوا ہے۔"

"کمال ہے، خیر میں رپورٹ درج کیے لیتا ہوں، لیکن میں اس وقت آپ کے گھر نہیں جا سکوں گا۔ یہ ہو سکتا ہے، کل کسی وقت آؤں —"

"چلیے ٹھیک ہے۔"

رپورٹ درج کرا کے وہ تھانے سے نکلے اور ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ اپنی نوعیت کا یہ عجیب ترین کیس تھا اور سونے پر سہاگہ یہ کہ انسپکٹر جمشید ان کے ساتھ موجود نہیں تھے۔ ان کی موجودگی میں تو وہ ہر کام نہایت بے فکری سے اور سوچے سمجھے بغیر کر لیا کرتے تھے، لیکن اب

انہیں جو قدم بھی اٹھانا تھا، سوچ سمجھ کر اٹھانا تھا — غلط اُٹھا ہوا قدم سارے معاملے کو چوپٹ کر سکتا تھا، کیونکہ معاملہ سیدھا سادا نہیں، بہت اُلجھا ہوا اور خطرناک تھا۔

"آپ گھر جا کر کیا کریں گے؟" اچانک فاروق نے فیروز لودھی سے سوال کیا۔

"کیا کروں گا، وہ میرا گھر ہے، رہوں گا جا کر، اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کروں گا۔"

"بہت خوب، آپ کے گھر میں ملازم کتنے ہیں؟" محمود نے پوچھا۔

"تین — بشیر، صادق اور غفور دین نام ہیں ان کے۔"

"یہ تینوں پرانے ملازم ہیں یا نئے — اور کیا آپ کو ان پر پورا اعتماد ہے؟"

"ہاں، بہت پرانے اور وفادار ملازم ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"اب ہماری ایک بات کا جواب دیں — امید ہے کہ بالکل سچ جواب دیں گے۔" محمود نے کچھ سوچ کر مضبوط اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ فاروق اور فرزانہ اسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔

"مجھے بھلا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔" فیروز لودھی نے جلدی سے کہا۔

"کیا آپ واقعی رحمان اختر کے ماموں جان ہیں؟" محمود نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

"کیا مطلب؟"

فیروز لودھی نے تقریباً اُچھل کر کہا — اس کے چہرے پر خوف اور حیرت کے سائے تیرنے لگے۔ آنکھیں اس طرح پھیل گئیں، جیسے ان تینوں کی بجائے کوئی بھوت سامنے آ گیا ہو۔

"مطلب — ہم آپ کو اس سوال کا مطلب نہیں بتا سکتے — مطلب تھوڑی دیر بعد خود آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔ آپ تو صرف سوال کا جواب دیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، میں رحمان اختر اور اُس کی بہن کا ماموں ہوں — اور مجھ سے آج تک اتنا عجیب سوال کسی نے نہیں کیا۔" اس نے کہا۔

"ابھی تو اس سے بھی زیادہ عجیب سوالات سے آپ کا واسطہ پڑے گا — آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ آپ سے پہلے ہی کوئی فیروز لودھی رپورٹ درج کرا گیا ہے۔ آخر وہ کون تھا؟" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"سوچ رہا ہوں، بلکہ بہت دیر سے سوچ رہا ہوں، لیکن کوئی جواب نہیں سوجھتا۔"

اسی وقت ٹیکسی نے ایک موڑ مڑا اور کھڑی ہو گئی، شاید یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور لودھی کدہ سے اچھی طرح واقف تھے، کیونکہ اسے فیروز لودھی نے ایک بار بھی راستہ نہیں بتایا تھا۔

"شاید ہم پہنچ گئے؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہاں!" فیروز لودھی نے چونک کر کہا۔

وہ ٹیکسی سے اُتر آئے۔ انہوں نے دیکھا، وہ ایک محل نما کوٹھی تھی اور شاید تغلق آباد میں سب سے بڑی کوٹھی تھی — گیٹ پر ایک مسلح چوکیدار بیٹھا تھا — ٹیکسی کو رُکتے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا، اس کی نظریں محمود، فاروق اور فرزانہ پر جم گئیں۔ ابھی وہ فیروز لودھی کو نہیں دیکھ سکا تھا، کیونکہ وہ ٹیکسی کا بل چکا رہا تھا اور اس کا رُخ دوسری طرف تھا، پھر جونہی فیروز لودھی دروازے کی طرف مُڑا اور پٹھان چوکیدار کی نظر اس پر پڑی، اُس کا منہ حیرت اور خوف سے کھل گیا، بندوق ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گئی — پھر اُس کے منہ سے ڈرے ڈرے انداز میں نکلا:

"بھوت..... بھو..... بھوت....."

وہ دھڑام سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

تفتیش کے گھوڑے

فیروز لودھی اسے اس طرح گرتے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس کے منہ سے مارے گھبراہٹ کے نکلا:

"ارے، اسے کیا ہو گیا ہے؟"

"جلدی سے دستک دیجیے، تاکہ اسے اٹھا کر اندر لے جایا جا سکے۔" محمود نے کہا — فیروز لودھی نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبا دیا — اندر کہیں زور سے گھنٹی بجی۔ تقریباً آدھ منٹ بعد انہیں گیٹ کے سامنے برآمدے میں ایک دروازہ کھلتا نظر آیا اور رحمان اختر باہر آیا۔ ادھر رحمان اختر نے بھی ان تینوں کو دیکھ لیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے، پھر وہ لپکا اور ساتھ ہی اُس کے منہ سے نکلا:

"ارے بھئی، میں نے فون کر تو دیا تھا..... کہ اب آنے کی ضرورت نہیں — پھر کیوں تکلیف کی — ہائیں، یہ چوکیدار کو کیا ہو گیا ہے؟"

"ہم انہیں اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔" محمود نے ایک طرف کھڑے فیروز لودھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رحمان اختر اس کی طرف مڑا اور پھر اس کا بھی وہی حال ہوا جو چوکیدار
کا ہوا تھا؛ البتہ وہ بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ اس نے بوکھلا کر کہا:
"یہ ... یہ ... یہ ... کیا، ماموں جان تو اندر موجود ہیں۔ میں ابھی
ابھی ان کے پاس سے اٹھ کر آ رہا ہوں —" اس کے چہرے کا رنگ
سفید پڑ گیا، ہوائیاں اڑنے لگیں۔
"یہ باتیں تو بعد میں ہوں گی، پہلے ملازموں کو بلاؤ" تاکہ چوکیدار
کو اندر لے جایا جا سکے —" فاروق نے کہا۔
"اور اگر ان کا بھی فیروز لودھی صاحب کو دیکھ کر یہی حال ہو گیا؟"
فرزانہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔
"ارے ہاں، اس کا بھی امکان ہے، انکل آپ ذرا اوٹ میں
ہو کر کھڑے ہو جائیں .... ذرا چوکیدار اندر جا لے، پھر ہم آپ کو بھی اندر
لے چلیں گے —"
"لیکن یہ ہیں کون؟"
"بے وقوف، کیا بک رہے ہو، میں تمہارا ماموں ہوں"
"ماموں؟ لیکن میرے ماموں تو اندر موجود ہیں —" رحمان اختر کا
حیرت کے مارے برا حال تھا —
"رحمان، میں نے کہا نا .... باتیں ہم اندر کریں گے"
"اچھی بات ہے —" اس نے کہا اور گھنٹی کا بٹن تین چار مرتبہ
بجا دیا — محمود کے اشارے پر لودھی دیوار کی اوٹ میں ہو گیا — ملازم باہر

آئے تو انہوں نے بھی بے ہوش چوکیدار کو دیکھ کر پلکیں جھپکائیں، پھر رحمان
کی ہدایت پر اسے اٹھا کر اندر لے گئے۔
"آئیے، اب اندر چلتے ہیں" فاروق نے کہا۔
"اف خدا، اس شخص کی شکل ماموں جان سے کس قدر ملتی ہے"
رحمان اختر نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔
"بدتمیز، میں ہی تمہارا ماموں ہوں"
"لیکن جناب، میرے ماموں تو اندر بیٹھے ہیں"
"وہ کوئی فراڈ ہو گا — پکا چار سو بیس —" فیروز لودھی نے کہا۔
"یہی الفاظ آپ کے لیے بھی کہے جا سکتے ہیں —" رحمان اختر نے
تلملا کر کہا۔
"بے وقوف، میں تمہیں اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا" فیروز لودھی
کو بھی غصہ آ گیا۔
"عاق تو اس وقت کریں گے نا جب آپ واقعی میرے ماموں ہوں
گے اور جائیداد کے مالک بھی — آئیے اندر میں آپ کو دکھاتا ہوں"
یہ کہہ کر رحمان پیر پٹختا ہوا اندر کی طرف تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ وہ بھی
اس کے پیچھے چل پڑے۔ آخر ایک کمرے میں پہنچے، جہاں دو مرد
ایک عورت اور ایک لڑکی موجود تھے۔ ان میں سے ایک مرد کو دیکھ کر
وہ سکتے میں آ گئے اور فیروز لودھی کا تو وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو
نہیں، اس کے سامنے ایک بالکل اس کی شکل کا آدمی بیٹھا ہوا تھا

سے باتیں کر رہا تھا، پھر جونہی قدموں کی آواز سن کر کمرے میں بیٹھے تینوں افراد دروازے کی طرف مڑے، ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے — وہ دو قدم اور آگے بڑھے تو ان تینوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔

"بھ بھو...... بھوت...... بھوت......؟" وہ چلائے۔

"ابو امی...... اور انکل...... یہ بھوت نہیں ہیں، بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ میرے ماموں ہیں —"

"ہیں، کیا کہا؟ ماموں — لیکن تمہارے ماموں تو پہلے ہی یہاں موجود ہیں —" رحمان اختر کے والد شبیر علی نے گلا پھاڑ کر کہا۔

کمرے میں موجود فیروز لودھی کا ہم شکل اٹھ کر اس کے بالکل سامنے کھڑا ہوگیا — دونوں ایک دوسرے کو گھورنے لگے، ان سب نے دیکھا، ان میں بال برابر بھی کہیں کوئی فرق نہیں تھا اور اگر دونوں کو ایک جیسے کپڑے پہنا دیے جاتے تو کوئی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ آنے والا کون سا ہے اور یہاں پہلے سے موجود کون سا ہے —

اچانک فیروز لودھی نے چلا کر کہا:

"تم کون ہو؟"

"میرا نام فیروز لودھی ہے — میں اس کوٹھی کا مالک ہوں اور ان بچوں کا ماموں — یہ میری بہن اور یہ ان کے خاوند ہیں۔" کمرے والے نے کہا۔

"غلط، بالکل غلط — فیروز لودھی میں ہوں، یہ کوٹھی میری ہے، ان بچوں کا ماموں میں ہوں...... یہ میری بہن اور یہ ان کے خاوند ہیں...... مجھے اغوا کر لیا گیا تھا اور جنگل کے ایک مکان میں قید کر لیا گیا تھا۔ میں وہاں سے کسی نہ کسی طرح نکل آنے میں کامیاب ہوگیا اور سیدھا دارالحکومت چلا گیا تاکہ پھر کوئی اغوا نہ کر لے۔ میں انسپکٹر جمشید کے گھر گیا، کیونکہ ان کے بچے میرے بھانجے کے بہت گہرے دوست ہیں۔ اور انہوں نے ان تینوں کو میرے ساتھ بھیج دیا۔" پہلے فیروز لودھی نے کہا۔

"یہی بیان میرا ہے، صرف یہ فرق ہے کہ میں جنگل سے نکل آنے کے بعد سیدھا یہاں آگیا۔" دوسرا بولا۔

"اُف خدا، یہ کیا ماجرا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے، ایسا تو کبھی دیکھا نہ سنا —" رحمان اختر کے والد شبیر علی کے منہ سے نکلا۔

اور پھر یہ خبر سارے گھر میں پہنچ گئی کہ گھر میں ایک فیروز لودھی کی بجائے دو فیروز لودھی موجود ہیں اور وہ دونوں ہی گھر کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں —

معاملہ ہر لمحے اُلجھتا جا رہا تھا — محمود، فاروق اور فرزانہ بُری طرح چکر کھا رہے تھے، وہ حیران تھے، کریں تو کیا — کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ آخر محمود نے بلند آواز میں کہا:

"ہم یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ اصل فیروز لودھی کون سے ہیں۔"

"کیا کہا! تم ثابت کر سکتے ہو، تو کرتے کیوں نہیں۔" رحمان اختر چیخا۔

"اس کے لیے آپ سب کو ہمارے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔ ہم جو
کہیں، اس پر عمل کرنا ہوگا — بصورت دیگر ہم یہاں نہیں رکیں گے اور
واپس چلے جائیں گے، کیونکہ یہ بات بالکل صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں
میں سے کوئی ایک فراڈ ضرور ہے — ہمیں یہی معلوم کرنا ہے کہ وہ
کون ہے، یہ بھی دیکھنا ہے کہ وہ چاہتا کیا ہے — اور اچانک کہاں
سے آگیا۔ آخر ایک شخص بلا وجہ تو گھر کا مالک نہیں بن بیٹھتا، اس کے
لیے اسے گھر کے در و دیوار، گھر کے ہر فرد اور تمام معاملات سے
واقفیت ہونا بہت ضروری ہے اور یہاں جو بھی فراڈ آدمی ہے، اس
نے پہلے تمام معلومات حاصل کی ہوں گی، تبھی اس گھر میں داخل ہونے
کی جرأت کر سکا ہوگا — اس لیے اگر آپ لوگ تعاون کرنے کے
لیے تیار ہیں تو ہم بہت جلد اس بھید سے پردہ اٹھا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اس دھوکے باز کو پکڑنے
کے لیے میں ہر طرح تعاون کروں گا۔" اس ماموں نے کہا جو اُن
کے ساتھ آیا تھا۔

"میں بھی تیار ہوں، میں دیکھتا ہوں، یہ کیسے میرے گھر پر قبضہ
کرتا ہے۔" دوسرے ماموں نے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ اس وقت تو ہم سفر کرکے آ رہے ہیں، آرام
کریں گے، اللہ نے چاہا تو کل سے کام شروع کریں گے اور آپ دیکھیں
گے، ہم صرف چند منٹ میں اصلی اور نقلی کی پہچان کرا دیں گے۔" محمود

نے کہا۔

"کیا کہا، صرف چند منٹ میں؟" رحمان اختر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں، صرف چند منٹ میں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا اور پھر
بولا: "اب ہمیں ہمارے کمرے میں پہنچا دو۔"

"ٹھہرو، میں انتظام کرتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کمرے میں موجود تھے اور رحمان اختر
بھی تھا۔

"تمہارے خیال میں ان دونوں میں سے تمہارا ماموں کون ہے؟" فاروق
نے پوچھا۔

"میں تو اسے ہی سمجھتا ہوں جو پہلے سے ہمارے پاس موجود تھے۔
تمہارے ساتھ آنے والے فراڈ ہو سکتے ہیں۔" رحمان اختر نے کہا۔

"لیکن اگر وہ فراڈ ہیں تو انہیں ہمارے بارے میں کس طرح
معلوم ہو گیا؟" محمود نے سوال کیا۔

"جس طرح اس گھر کے بارے میں اُسے دوسری باتیں معلوم
ہوئی ہیں، اسی طرح تمہارے بارے میں معلوم ہو گیا ہوگا۔ ارے
ہاں، انکل نہیں آئے؟"

"نہیں، وہ مصروف تھے اور پھر اُن کا خیال تھا کہ اس معاملے
اور اس کمرے میں ہی کیا، پوری کوٹھی پر ہی گہری خاموشی مسلط
ہو چکی تھی۔ شاید کوٹھی کے در و دیوار بھی یہ سوچنے میں مصروف تھے کہ ان

سے ہم خود ہی نمٹ لیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن فرزانہ بہن، کیا تمہارے خیال میں تم اس معاملے سے واقعی نمٹ لو گے۔"

"ہاں، یہ تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

"یار محمود، میں سوچ رہا ہوں۔" فاروق کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا سوچ رہے ہو ــ کیا سوچ کی گاڑی میں بریک لگ گیا ہے؟" محمود نے جھلا کر کہا۔

"میں سوچ رہا ہوں، اگر کبھی ہم تینوں کے ہم شکل ایک دم ہمارے سامنے آ گئے تو ہمارے احساسات کیا ہوں گے؟"

"احساسات کچھ بھی ہوں، ہم آگے بڑھ کر انہیں گلے لگا لیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"ذرا سوچو ــ ان میں سے جو بھی اصل امیر ہے، وہ بے چارہ کس قدر پریشان ہو گا۔" فاروق نے کہا۔

"پریشان تو اس وقت ہم بھی ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں..... صبح یہ پریشانی ختم ہو جائے گی۔"

"آخر تم لوگ کیا طریقہ اختیار کرو گے؟" رحمان اختر نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"صبح دیکھ ہی لو گے ــ" محمود نے مسکرا کر کہا اور کمرے میں گہری خاموشی طاری ہو گئی۔

کا اصل مالک کون ہے..... اور پھر نہ جانے کب ان کی آنکھ لگ گئی۔

دوسرے دن وقت سے پہلے ہی سب لوگ ناشتے کی میز پر پہنچ گئے۔ ملازم تک حیران تھے اور انہوں نے بھی بہت پہلے ناشتا لگا دیا تھا، ہر کوئی یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ دونوں فیروز لودھیوں میں سے اصلی کون ہے اور نقلی کون۔ ان سب کی نظریں محمود، فاروق اور فرزانہ پر جمی تھیں ــ ملازموں کو بھی اس وقت تک یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ دراصل وہ کون ہیں۔

آخر ناشتا شروع ہوا۔ ناشتے کے دوران گہری خاموشی مسلط رہی۔ بس پلیٹیں اور چمچے ضرور کھنکتے رہے۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد محمود سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، اس نے ایک نظر فاروق اور فرزانہ پر ڈالی جیسے اجازت لے رہا ہو، پھر سب کی طرف مڑتے ہوئے کہنے لگا:

"جہاں تک میرا خیال ہے، ان میں سے اصل فیروز لودھی کو پہچاننا بہت آسان ہے اور اس کی آسان ترین ترکیب یہ ہے کہ گھر میں اگر کچھ کاغذات موجود ہیں تو وہ یہاں لائے جائیں۔ ان پر لازمی بات ہے کہ فیروز صاحب کے دستخط ہوں گے ــ ہم دو سادہ کاغذوں پر ان کے دستخط لے لیتے ہیں اور پہلے سے موجود دستخطوں سے ملا لیتے ہیں۔ یا ہم بینک میں محفوظ دستخطوں سے بھی ملا کر دیکھا جا سکتا ہے۔ اور اس

کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"بہت خوب، کتنی آسان اور اچھی ترکیب ہے۔" ان کے والے فیروز لودھی نے کہا۔

"واقعی ترکیب کا جواب نہیں، لائیے سادہ کاغذ۔" دوسرے لودھی نے بھی خوش ہو کر کہا۔

"سادہ کاغذ پر دستخط کرنے سے پہلے ایسے کاغذات یہاں موجود ہونا ضروری ہیں جن پر آپ کے دستخط ہوں، ظاہر ہے ایسے کاغذات کسی الماری میں ہوں گے اور الماری کی چابی آپ دونوں میں سے ایک کے پاس ضرور ہو گی۔"

"چابی میرے پاس موجود ہے۔" دوسرے فیروز لودھی نے کہا۔

"اور انکل، آپ کے پاس چابی کیوں نہیں ہے۔"

"مجھے جب اغوا کیا گیا تو تلاشی لی گئی تھی اور چابی نکال لی گئی تھی۔" ان کے والے لودھی نے کہا۔

"یہ غلط ہے، اغوا مجھے کیا گیا تھا، لیکن اغوا کرنے والوں نے چابی نہیں نکالی تھی۔"

"خیر، اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔ چابی جس کے پاس بھی موجود ہے، وہ الماری میں سے دستخطوں والے کاغذات نکال لائیں۔" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

گھر میں پہلے سے موجود فیروز لودھی اُٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اندر

چلا گیا۔ پہلا فیروز لودھی پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولا:

"اُف خدا، یہ کس بے تکلفی سے میرے گھر کے اندر گیا ہے ۔۔۔ بالکل اسی طرح جیسے یہ اس کا اپنا گھر ہو۔"

"فکر نہ کریں، حقیقت ابھی سامنے آ جائے گی۔" فاروق بولا۔

اسی وقت دوسرا فیروز لودھی کاغذ اٹھائے آتا نظر آیا۔ اس نے کاغذات ان کے سامنے پٹخ دیے اور بولا:

"دیکھ لیں، ان کاغذات میں جا بجا میرے دستخط موجود ہیں۔ سادہ کاغذ مجھے دے دیں، میں ابھی دستخط کیے دیتا ہوں اور پھر اس دھوکے باز سے بھی کرا کے دیکھ لیں۔"

"دھوکے باز میں نہیں، تم ہو۔"

"خدا کے لیے اس پر بحث نہ کریں، کیونکہ ہم یہی معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ دھوکے باز کون ہے ۔۔۔ یہ لیجیے کاغذ اور دستخط کر دیجیے۔" محمود نے ایک ایک کاغذ انہیں دیتے ہوئے کہا۔

دونوں نے کاغذ میز کی سطح پر رکھے اور دستخط کرنے لگے۔ دستخط کرنے کے بعد انہوں نے سر اوپر اٹھائے اور اپنا اپنا کاغذ تینوں کی طرف بڑھا دیا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ نے دونوں کاغذ ساتھ ساتھ رکھے اور فائل بھی ایک جگہ سے کھول کر رکھ لی۔ اس جگہ بھی دستخط موجود تھے اور پھر وہ ہکا بکا رہ گئے۔

تینوں دستخطوں میں بال برابر بھی فرق نہیں تھا۔

وہ دوڑتے ہیں

"اُف اللہ، ان دستخطوں میں تو ذرا بھی فرق نہیں ہے" فرزانہ کے منہ سے مارے تعجب کے نکلا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے، کوئی شخص بھی دوسرے کے دستخطوں کی اس حد تک کامیاب نقل نہیں اتار سکتا۔" رحمان اختر کے والد شبیر علی نے کہا۔

"شاید دستخط کرنے کی مشق مدتوں کی گئی ہے، ہم اس معاملے کو جتنا آسان سمجھے تھے، یہ ہمارے لیے اتنا ہی مشکل ثابت ہو رہا ہے، یہ کوئی بہت ہی گہرا چکر ہے۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن سوال تو یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے — آخر یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ان میں سے اصلی بھائی صاحب کون سے ہیں؟" شبیر علی نے پریشان ہو کر کہا۔

"آپ لوگ ہمیں کچھ سوچنے کی مہلت دیں — ہم چند منٹ کے اندر اندر کوئی دوسری ترکیب ڈھونڈ نکالیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"بڑے شوق سے سوچیں۔" شبیر علی بولے۔

اور تینوں سوچ میں گم ہو گئے — اچانک فرزانہ زور سے اچھلی،

ساتھ ہی اس نے چٹکی بجائی۔

"وہ مارا — بس یوں سمجھیے مسئلہ حل ہو گیا۔"

"وہ کیسے؟" ان کے والد فیروز لودھی نے جلدی سے کہا۔

"کیا آپ میں سے کسی کی انگلیوں کے نشان کسی جگہ موجود ہیں، میرا مطلب ہے بعض اوقات کاغذات پر دستخطوں کے ساتھ انگوٹھے یا انگلیوں کے نشانات بھی لیے جاتے ہیں۔ انگلیوں کے نشانات ایک بہت بڑی حقیقت ہیں۔ دنیا میں کسی انسان کی انگلیوں کے نشانات دوسرے انسان کی انگلیوں کے نشانات سے نہیں مل سکتے، اب اگر آپ میں سے کسی کی انگلیوں کے نشانات کہیں موجود ہیں تو مسئلہ چٹکی بجاتے حل ہو سکتا ہے۔" فرزانہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

دونوں فیروز لودھی سوچ میں گم ہو گئے — آخر گھر میں پہلے سے موجود فیروز لودھی نے کہا:

"میرے وکیل نے ایک بار میرے کاغذات پر انگلیوں کے نشانات لیے تھے — نشانات لیتے وقت اس نے یہی کہا تھا کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی دوسرا ان کاغذات کی ملکیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اگر آپ لوگ پسند کریں تو میں وکیل صاحب کو فون کر دیتا ہوں۔ وہ کاغذات لے کر ابھی یہاں آ جائیں گے۔"

"اور تمہارے وکیل کا نام کیا ہے؟" ان کے والد فیروز لودھی نے چونک کر کہا۔

"جمال الدین انصاری۔" اس نے کہا۔

"کیا ؟" ان کے والا فیروز لودھی اتنے زور سے چیخا کہ برآمدے کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں۔

"کیوں، کیا ہوا ؟" فاروق نے جلدی سے پوچھا۔

"توبہ توبہ، یا اللہ میری توبہ — نہ جانے مجھے کن گناہوں اور خطاؤں کی سزا مل رہی ہے — میں نے کبھی اپنے مال پر زکوٰۃ ادا نہیں کی — شاید اسی لیے یہ دوسرا فیروز لودھی میرے سر پر سوار ہو گیا ہے۔" ان کے والے فیروز لودھی نے آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے کہا۔

"واہ، ایکٹر تو تم بہت اچھے ہو، لیکن اصلی اور نقلی آنسو دور سے ہی پہچان لیے جاتے ہیں۔" گھر والے لودھی نے کہا۔

"آخر ہوا کیا ہے، آپ اس طرح کیوں چیخے تھے ؟" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"چیخا اس لیے تھا کہ جمال الدین انصاری میرے وکیل کا نام ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا ؟" اس مرتبہ وہ بھی چیخے تھے۔

"ہاں، اور انھوں نے میری انگلیوں کے نشانات بھی کاغذات پر لیے تھے۔"

"پھر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم فیصلے کے نزدیک پہنچ چکے ہیں۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"وہ کیسے ؟" شبیر علی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ان دونوں میں سے جس کی انگلیوں کے نشانات بھی کاغذات پر مل گئے، وہی اصل فیروز لودھی ہے۔"

"تو پھر میں وکیل صاحب کو ٹیلی فون کرتا ہوں۔" گھر والے فیروز لودھی نے کہا۔

"ضرور کرو — مگر کیا تمہیں اس کے فون نمبر معلوم ہیں؟" ان کے والے لودھی نے کہا۔

"ہاں، معلوم ہیں — ۵۰۸۹، کیوں ٹھیک ہیں نا ؟"

"ہاں، ٹھیک ہیں۔ تم نے بہت لمبا جال پھیلایا ہے — مگر تم اب اس جال میں خود ہی پھنس گئے ہو..... کاغذات پر میری انگلیوں کے نشانات ملیں گے۔"

"دیکھا جائے گا۔" دوسرے نے لاپروائی سے کہا اور اٹھ کر اس تپائی کی طرف چلا گیا جس پر فون رکھا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور نمبر گھمانے لگا — سلسلہ جلد ہی مل گیا۔

"ہیلو وکیل صاحب، میں لودھی بول رہا ہوں — یہاں آپ کی ضرورت ہے۔ میرے تمام کاغذات لے کر چلے آیئے۔"

چند لمحے کے لیے وہ دوسری طرف سے کی جانے والی بات سنتا رہا، پھر ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑا:

"اس وقت وکیل صاحب کو دو تین ضروری کیس نمٹانے کے لیے

ہائی کورٹ جانا ہے۔ وہ شام چار بجے آئیں گے۔"

"تو پھر یہ میٹنگ چار بجے تک کے لیے برخاست ہوتی ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں یہی مناسب ہے۔ مجھے بھی دو ایک ضروری کاموں کے سلسلے میں مارکیٹ تک جانا ہے۔" ان کے ساتھ آنے والے لودھی نے کہا۔

"اور کچھ دیر کے لیے میں بھی جا رہا ہوں۔" دوسرا لودھی بولا۔

"ضرور جائیں، لیکن آپ میں سے کوئی وکیل صاحب سے ملنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"نہیں اس کی کیا ضرورت ہے۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

سب میز سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ محمود نے فاروق اور فرزانہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ تینوں اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو اس نے کہا:

"ہمیں ایک بہترین موقع مل رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"دونوں فیروز لودھی گھر سے باہر جا رہے ہیں۔ ایک فیروز کا میں تعاقب کروں گا اور دوسرے کا فاروق۔ فرزانہ تم گھر میں رہ کر حالات کا جائزہ لو گی اور اگر ہو سکے تو فیروز لودھی کے کمرے کا بھی جائزہ لے لینا۔ اس کام کے لیے تم رحمان اختر کی مدد لے سکتی ہو۔" محمود نے کہا۔

"ٹھیک ہے، تم فکر نہ کرو۔" فرزانہ بولی۔

اور پھر محمود اور فاروق دونوں لودھیوں سے پہلے ہی گھر سے نکل آئے۔ اس طرح کہ کسی کو پتا بھی نہ چلے۔ رحمان اختر نے انہیں پچھلی طرف کا دروازہ کھول کر نکال دیا تھا، اس لیے دروازے پر بیٹھا چوکیدار بھی انہیں نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ چکر کھا کر کوٹھی کے مین گیٹ کی طرف آ گئے اور فیروز لودھیوں کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ انہوں نے باقاعدہ درختوں کی اوٹ لے لی۔ ابھی چند منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ انہوں نے اپنے والے فیروز لودھی کو گھر سے نکلتے دیکھا۔ محمود اس کے پیچھے جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

١

فیروز لودھی گھر سے نکل کر سامنے کی سڑک پر پیدل ہی ہو لیا۔ ابھی محمود اس کے پیچھے روانہ ہونے کے لیے درخت سے نکلا بھی نہیں تھا کہ دوسرا فیروز لودھی بھی نکل آیا اور وہ دونوں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ دوسرا لودھی پہلے لودھی کا تعاقب کر رہا تھا۔ اب وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے تھے کہ دونوں اس کے پیچھے نکل کھڑے ہوتے۔ انہوں نے مناسب فاصلہ رکھ کر تعاقب شروع کر دیا۔

"یار محمود کہیں ہم اس چکر میں ناکام نہ ہو جائیں۔ حالات عجیب و غریب ہیں۔" فاروق نے خاموشی کی مہر توڑی۔

"ہمت ہارنے کی ضرورت نہیں ۔" محمود نے شاہانہ انداز میں کہا۔

"میں نے تو آج تک ہمت جیتی بھی نہیں، ہاروں گا کہاں سے ۔"
فاروق مسکرایا۔

"ہمیں صرف اپنی عقل سے کام لینا ہے ۔۔۔ یہ سوچنا ہے اس چکر کے پیچھے کیا مقصد ہے ۔"

"مقصد تو صرف دولت حاصل کرنا ہی ہو سکتا ہے ۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اصل فیروز لودھی سے کسی کو کوئی پرانی دشمنی ہو اور اس نے انتقام لینے کے لیے یہ انوکھا طریقہ اختیار کر لیا ہو ۔" محمود نے ایک نیا نکتہ اٹھایا۔

"ہاں، اس کا امکان بھی ہے، لیکن وہ شخص فیروز لودھی کا اتنا زبردست ہم شکل کہاں سے لے آیا ۔۔۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے ؟" فاروق نے سوال کیا۔

"میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا۔ یار کہیں ان میں سے ایک میک اپ میں تو نہیں ۔"

"اس قدر زبردست میک اپ کرنا میرے خیال میں تو ممکن نہیں کہ دونوں میں ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہ ہو ۔"

"اور کمال تو یہ ہے کہ دونوں دستخط بھی بالکل ایک جیسے کرتے ہیں۔ ذرا سوچو، نقلی فیروز لودھی بھی جب چاہے بینک سے بڑی سے بڑی رقم نکال سکتا ہے ۔"

"سوچ رہا ہوں ۔۔۔ اور ہم شاید سوچنے کے لیے ہی تو پیدا ہوئے ہیں ۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ اگلا فیروز لودھی آخر جا کہاں رہا ہے ؟"

"خدا جانے کہاں جا رہا ہے، معلوم ہو ہی جائے گا ۔"

"ویسے میرا خیال ہے اگلا لودھی جو ہمارے ساتھ آیا ہے، اصل ہے ۔" محمود بڑبڑایا۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا ۔۔۔ پچھلے کے اصلی ہونے کے امکانات بھی اتنے ہی ہیں ۔" فاروق بولا۔

"بڑی مدت کے بعد ہمیں ایک ایسا کیس ملا ہے جو ناکوں چنے چابنے پر مجبور کر دے گا ۔" محمود نے کہا۔

"تم ہی چابنا ناک سے چنے، مجھے تو یوں بھی چنے پسند نہیں ہیں ۔" فاروق مسکرایا۔

"کہیں ان لوگوں کا پروگرام ہمیں تھکانے کا تو نہیں، اگر انہوں نے ٹیکسی یا رکشے پکڑ لیے ہوتے تو اب تک تعاقب کا یہ سلسلہ ختم بھی ہو جاتا ۔" محمود نے ناگوار لہجے میں کہا۔

"یہ سلسلہ تو ختم ہو ہی جائے گا، لیکن مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے، جیسے میں کوئی بہت اہم بات بھول رہا ہوں اور اگر وہ یاد آ جائے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے ۔" فاروق نے کہا۔

"تو پھر خدا کے لیے یاد کرو ۔۔۔ وہ کیا بات ہے جو تم بھول

ہے ہو — تمہاری یہ بڑی مصیبت ہے، بات بھول جاتے ہو۔"

"اچھا، تھوڑی دیر خاموش رہو، میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

دونوں خاموشی سے چلنے لگے — اسی وقت انہوں نے دیکھا اگلا فیروز لودھی ایک کوٹھی کے اندر داخل ہو رہا تھا، اس کے تھوڑی دیر بعد دوسرا لودھی بھی اندر داخل ہو گیا۔

"لو بھئی، یہ تو دونوں ایک ہی کوٹھی میں جا گھسے ہیں، کہیں یہ کوئی چکر ملی بھگت سے تو نہیں چلا رہے۔" فاروق بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" محمود نے کہا۔

"ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔"

"اب ہم کیا کریں، کیا اندر چلیں؟"

"اگر اندر نہیں جائیں گے تو پھر یہاں تک آنے کی کیا ضرورت تھی — آؤ دیکھیں، یہ لوگ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

دونوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی راہ گیر ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ یوں بھی یہ دن کا وقت تھا اور وہ بھی کوئی چوری چھپے انداز سے کوٹھی میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے — انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، گیٹ سے اندر داخل ہو کر پچھلے حصے کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک کمرے کی کھڑکیاں انہیں کھلی نظر آئیں۔ ساتھ ہی ایک مردانہ آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"بہت دنوں بعد آئے لودھی! کیا حال ہے؟"

"میں بہت پریشان ہوں اور جب کوئی پریشان ہو تو اپنے دوست کے پاس ہی آتا ہے۔"

"کیا ہوا، خیر تو ہے؟"

"یہ میں بتاتا ہوں —" ایک تیسری آواز نے انہیں چونکا دیا۔ یہ دوسرے لودھی کی آواز تھی —

"ارے، میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں — لودھی تم ایک سے دو کس طرح ہو گئے؟" لودھی کے دوست نے چلا کر کہا۔

"اُف، یہ مصیبت تو یہاں بھی آ گئی۔"

"میں مصیبت نہیں، اصل فیروز لودھی ہوں اور یہی دیکھنے کے لیے میں نے تمہارا تعاقب کیا تھا کہ تمہاری اس چال کو ناکام بنا دوں — تم ایک گواہ پیدا کرنا چاہتے تھے — تم نے جہاں میرے تمام حالات معلوم کر لیے تھے — وہاں دوست کے بارے میں کیوں معلوم نہیں کیا ہو گا۔" دوسرا لودھی کہتا چلا گیا۔

"تو یہ چکر کیا ہے" دوست کے لہجے میں زمانے بھر کی حیرت تھی۔

اور محمود نے فاروق کو کہنی ماری اور اشارہ کیا کہ آؤ واپس چلتے ہیں، کیونکہ اب یہاں جو بھی باتیں ہونے والی تھیں، وہ انہیں معلوم ہی تھیں۔ دونوں کوٹھی سے نکل کر سڑک پر آئے ہی تھے کہ اچانک فاروق نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"یار محمود! مجھے یاد آگیا، وہ کیا بات ہے جو میں بھول رہا تھا؟"

"خدا کا شکر ہے، اب جلدی سے بتا دو، کہیں پھر نہ بھول جاؤ۔"

"بیگم شیرازی ــ" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"بیگم شیرازی ــ کیا مطلب؟" محمود چونکا ــ "کیا تم صرف بیگم شیرازی کا نام بھول رہے تھے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"تمہیں یاد ہوگا، بیگم شیرازی فیروز لودھی کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں اور انہوں نے بتایا تھا کہ اس شخص کو انہوں نے کہیں دیکھا ہے ــ ہم نے ان سے یہ یاد کرنے کی درخواست کی تھی کہ کہاں دیکھا ہے ــ فوری طور پر انہیں یاد نہیں آسکا تھا۔ ہو سکتا ہے، اب انہیں یاد آگیا ہو، کیوں نہ ہم انہیں تار دے دیں۔"

"بہت اچھا خیال ہے ــ ٹیلی گراف آفس چلتے ہیں۔"

انہوں نے ایک راہ گیر سے ٹیلیگراف کا پتا پوچھا ــ وہاں جا کر تار دیا۔ اور جب وہ باہر نکل رہے تھے تو اچانک محمود چلایا۔

"فاروق دوڑو ــ"

"دوڑوں، کیا مطلب؟" اس نے حیران ہو کر کہا ــ

"ہاں دوڑو ــ آؤ" محمود نے کہا اور دوڑنے لگا۔ فاروق ہکا بکا پہلے تو اُسے چند سیکنڈ تک دیکھتا رہا، پھر خود بھی اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔

یوں لگتا تھا جیسے محمود پاگل ہو گیا ہو ــ

تار کے الفاظ

وہ اندھا دھند دوڑتے ہوئے کوٹھی میں داخل ہوئے۔ چوکیدار نے انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا ــ پھاٹک سے گزرنے کے بعد وہ اندرونی دروازے میں داخل ہوئے اور دروازہ اندر سے بند کر دیا ــ

"کچھ بتاؤ گے بھی یا نہیں ــ" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"چلو، پہلے فرزانہ کے پاس چلو۔"

دونوں اپنے کمرے میں آئے۔ یہاں فرزانہ موجود تھی اور ایک صوفے میں نیم دراز اخبار پڑھ رہی تھی ــ

"لودھی برادران ابھی آئے تو نہیں؟" محمود نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"خیر تو ہے، کیا کوئی بھوت تمہارا تعاقب کر رہا ہے؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا ــ

"میں نے کیا پوچھا ہے؟" محمود نے آنکھیں نکالیں ــ

"یا اللہ خیر ــ وہ دونوں ابھی تک نہیں لوٹے۔"

"بہت خوب، تم دونوں یہیں ٹھہرو، میں ذرا رحمان اختر کو کچھ ہدایات دے آؤں۔" یہ کہہ کر محمود ایک بار پھر دوڑتا ہوا نکل گیا ــ

"کیا چکر ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"پتا نہیں ــــ شاید اس پر بھاگنے کا دورہ پڑ گیا ہے۔ ہم اچھے بھلے تار دے کر تار گھر سے نکل رہے تھے کہ یک دم دوڑنے لگا اور ساتھ ہی مجھے بھی دوڑنے کے لیے کہا۔ میں سمجھا، شاید اسے کوئی خاص چیز نظر آ گئی ہے، لیکن گھر پہنچنے تک یہ کہیں بھی نہیں رکا ــــ اور اب رحمان اختر کی طرف دوڑ گیا ہے۔"

"ضرور اسے کوئی خاص بات سوجھی ہو گی جس کے لیے دونوں دھیموں سے پہلے گھر آنا ضروری ہو گا، اس لیے اس نے دوڑ لگا دی۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں، اس کے علاوہ اور کیا بات ہو سکتی ہے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ اسے سوجھ کیا بات گئی ہے؟"

"یہ تو وہی بتا سکتا ہے ــــ لیکن تم لوگوں نے تار کسے دیا ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"بیگم شیرازی کو۔"

"اوہ اچھی، انہوں نے کہا تھا کہ فیروز لودھی کو کہیں دیکھ چکی ہوں، لیکن کہاں، یہ یاد نہیں آ سکا تھا، شاید تم نے یہی معلوم کرنے کے لیے انہیں تار بھیجا ہے۔"

"ہاں، میں اس بات کے متعلق سوچ رہا ہوں جو محمود کو سوجھی ہے۔"

"سوچتے رہو، میں تو محمود سے معلوم کروں گی۔"

"کافی سست نظر آنے لگی ہو آج کل۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"جب اچھل کود اور بھاگ دوڑ کی کوئی ضرورت ہی نہ ہو تو پھر اپنے جسم کو کیوں تھکایا جائے۔" فرزانہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"تمہارا مطلب ہے، اس کیس کے سلسلے میں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کم از کم مجھے کوئی ضرورت نہیں۔"

"آخر کیوں؟ کیا تم جان چکی ہو کہ ان میں سے اصلی فیروز لودھی کون سا ہے اور نقلی کیا چاہتا ہے؟"

"میں تمہارے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا اس سوال میں الفاظ کچھ مشکل ہیں، تمہاری اردو اتنی کمزور تو نہیں ہے۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

اسی وقت محمود اندر آیا اور آتے ہی بولا:

"اٹھو، ہمیں بیرونی دروازے پر چلنا ہے۔"

"کیوں؟ کیا اندرونی دروازے پر مجرم بیٹھا ہے۔"

"نہیں، لیکن آنے والا ہے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" دونوں چونکے۔

"مطلب دروازے پر پہنچ کر بتاؤں گا۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اوہو، بڑے پُراسرار بن رہے ہو" فرزانہ نے بڑبڑا کر کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ فاروق نے بھی ساتھ دیا۔

تینوں بیرونی دروازے کے پاس برآمدے میں آ گئے — یہاں کرسیاں بھی موجود تھیں، وہ ان پر بیٹھ گئے — ایک منٹ بھی نہ گزرا تھا کہ رحمان اختر بھی وہاں آ گیا اور ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا..... پھر آدھ گھنٹہ گزر گیا —

اچانک دروازے کی گھنٹی بجی — رحمان اختر نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا — انھوں نے دیکھا، وہاں دونوں لودھی کھڑے تھے — محمود کا چہرہ لٹک گیا — شاید وہ نہیں ہوا تھا، جو وہ چاہتا تھا۔ وہ رحمان اختر کو ساتھ لے کر اپنے کمرے میں آ گئے —

"رحمان، یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کیس بہت مشکل ہے۔ پروگرام بہت سوچ سمجھ کر بنایا گیا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے، تمہاری مدد کے بغیر ہم اس کیس کو کبھی بھی حل نہیں کر سکیں گے۔"

"میں تو ہر مدد کے لیے تیار ہوں۔"

"مدد سے مراد یہ نہیں کہ تمہیں اس کے لیے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ بس جو باتیں ہم معلوم کرنا چاہیں، ان کے خوب سوچ کر جواب دیتے جاؤ —" محمود نے کہا۔

"میں تیار ہوں۔" اس نے کہا۔

"اس سے پہلے میں جاننا چاہتی ہوں کہ اس وقت دروازے

پر کیا پروگرام تھا؟"

"میں دونوں لودھیوں کے گھنٹی بجانے کے انداز نوٹ کرنا چاہتا تھا —" محمود نے مایوسانہ لہجے میں کہا — "لیکن وہ دونوں ایک ہی وقت میں آ گئے۔"

"تو پھر اس سے کیا ہو گیا؟" فرزانہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"یہ تو اسی وقت ہو سکتا تھا جب دونوں الگ الگ آتے۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا — اس وقت جس نے گھنٹی بجائی تھی وہ، وہ لودھی تھا جو ہمارے ساتھ آیا تھا — ہم کسی بہانے دوسرے لودھی کو گھر سے باہر لے جا سکتے ہیں اور ہم میں سے دو یہاں رہ کر گھنٹی کے انداز کو نوٹ کر سکتے ہیں۔ اس طرح دونوں کے انداز کا فرق معلوم ہو جائے گا۔"

"بہت اچھے، یہ ترکیب میرے ذہن میں تو آئی نہیں — خیر، یہ تجربہ تو بعد میں کرتے رہیں گے، اس وقت تو ہم رحمان سے سوالات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں ہاں، ضرور —" رحمان نے کہا — لیکن اسی وقت ایک ملازم اندر داخل ہوا — اس نے کہا۔

"وکیل صاحب آ گئے ہیں اور ڈرائنگ روم میں آپ لوگوں کا انتظار ہو رہا ہے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے، ڈرائنگ روم میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا

والے لباس میں ایک پتلے دُبلے اور چھوٹے قد کا آدمی بیٹھا تھا۔ دونوں فیروز لودھی اس کے سامنے کرسیوں پر موجود تھے اور وہ انہیں اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے دنیا کا آٹھواں عجوبہ دیکھ لیا ہو۔ ایک طرف رحمان اختر کے والدین اور اس کی بہن بیٹھے تھے۔

"آؤ بھئی، وکیل صاحب آ گئے ہیں۔" شبیر علی نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔ ان کی آواز سن کر وکیل نے بھی چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

"مجھے جمال الدین انصاری کہتے ہیں، آخر یہ کیا چکر ہے۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ میرے موکل ایک سے دو کس طرح ہو گئے۔"

وہ پریشان کن لہجے میں کہتا چلا گیا۔

"وکیل صاحب، ہم سب بھی یہی سب کچھ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور آپ کو بھی اسی لیے تکلیف دی گئی ہے۔" محمود نے کہا اور پھر مختصر طور پر اسے سارے حالات کہہ سنائے۔

"حیرت ہے، یہ میں کیا سن اور دیکھ رہا ہوں۔" محمود کے خاموش ہونے پر اس نے کہا۔

"اب مسئلہ یہ ہے، اصل فیروز لودھی کی انگلیوں کے نشانات آپ کے پاس موجود کاغذات پر ہیں۔ آپ نے ہی وہ نشانات لیے تھے۔ ہم ان دونوں کی انگلیوں کے نشانات ان نشانات سے ملانا چاہتے

ہیں، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے اصلی کون ہے اور نقلی کون؟"

"ایک تو نقلی ضرور ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ چاہتا کیا ہے؟"

"تمام زمینوں اور اس کوٹھی کا مالک بننا۔ ہم نے دونوں سے دستخط بھی کرا کے دیکھے تھے، لیکن ان میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔"

"اوہ، تب تو آپ لوگوں نے بہت مناسب ترکیب سوچی ہے۔ سارے کاغذوں پر ان کے نشانات لے لیں۔ میں ان کاغذات کے نشانات آپ کے سامنے رکھے دیتا ہوں۔" وکیل نے مطمئن ہو کر کہا۔

ایک بار پھر انگلیوں کے نشانات لیے گئے اور پھر کاغذات والے نشانات سے ملائے گئے۔ وہ سب ان پر جھک گئے۔ محمود نے نشانات لیتے وقت کاغذوں پر لودھی نمبر ۱ اور لودھی نمبر ۲ لکھ دیا تھا۔ نمبر ۱ اس نے اپنے ساتھ آنے والے کو لکھا تھا۔ دونوں کی انگلیوں کے نشانات میں فرق تھا۔ جونہی وکیل صاحب کے کاغذات کے پاس انہیں رکھا گیا اور غور سے دیکھا گیا تو فوراً ہی ایک حقیقت صاف نظر آنے لگی۔

وکیل صاحب کے کاغذات والے نشانات قیدی کے کاغذات پر لیے گئے نشانات میں سے ایک کے بالکل مطابق تھے۔ جب کہ دوسرے سے بالکل نہیں ملتے تھے اور جب انہوں نے مطابقت

کھانے والے کاغذ پر لکھا نام پڑھا تو ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"لودھی ۲ "

○

ان سب پر سکتہ طاری ہوگیا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا، محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ آنے والا لودھی دھوکے باز تھا۔ چار سو بیس تھا — اور دوسرا اصلی فیروز لودھی تھا — کتنے ہی لمحے خاموشی کے عالم میں گزر گئے۔ پھر لودھی ۱ کی چیخ سی سنائی دی۔

"نہیں نہیں، یہ غلط ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے — وکیل صاحب نے میری انگلیوں کے نشانات لیے تھے، پھر وہ اس جھوٹے آدمی کی انگلیوں سے کس طرح مل سکتے ہیں؟"

"اب فیصلہ ہو چکا ہے، ہمیں افسوس ہے، آپ کو پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا۔ آپ نے دھوکا دہی کی واردات کی ہے۔ فیروز لودھی کی جائیداد اور زمینوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے، جائیے جناب پولیس کو فون کیجیے۔" محمود نے لودھی ۲ سے کہا۔

"ضرور ضرور، اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"خدا کے لیے پولیس کو نہ بلایئے۔" لودھی ۱ نے گھبرا کر کہا۔

"شاید ہم پولیس کو نہ بلاتے، اگر ہم پر ٹرین میں حملہ نہ ہوا

ہوتا۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے، وہ حملہ بھی آپ نے جان بوجھ کر کرایا تھا — اور ہاں، ان لوگوں نے آپ کو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ آپ کے ہی آدمی تھے، پولیس کو یہ بھی تو تحقیق کرنا ہوگی کہ ان تینوں سے آپ کا کیا تعلق ہے —" محمود کہتا چلا گیا — ادھر فیروز لودھی ۲ پولیس کو فون کرنے میں مصروف تھا — لودھی ۱ کا رنگ اڑ گیا، وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

"میں.... میں.... میں فیروز لودھی ہوں، یہ گھر میرا ہے، زمینیں میری ہیں — اور اب ان سب پر یہ شخص قابض ہو جائے گا۔ اُف خدا، یہ سب کیا ہے —"

"اب ان الفاظ سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا — جرم کرنے سے پہلے آدمی کو سوچنا چاہیے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن میں نے کوئی جرم کیا بھی تو ہو۔" وہ چیخا۔

"آہستہ بات کرو، ورنہ پولیس کے آنے سے پہلے ہی مار مار کر بے ہوش کر دوں گا۔" فیروز لودھی نے کہا۔

اور وہ اس طرح خاموش ہو گیا جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد پولیس آ گئی اور فیروز لودھی ۱ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں — انہوں نے دیکھا، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے — پولیس کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے ان تینوں کو عجیب سی نظروں سے دیکھا اور پھر گھسٹتا چلا گیا۔ ان

کے باہر نکلنے کے بعد فیروز وردی نے مطمئن لہجے میں کہا:

"خدا کا شکر ہے، یہ قصہ پاک ہوا — اب ہم سکون اور اطمینان کے ساتھ یہاں رہ سکیں گے۔"

"اور ہم تینوں اجازت چاہیں گے، کیونکہ ہم اسی قضیے کو حل کرنے آئے تھے" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" فیروز وردی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: "تم تینوں نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے..... اب کچھ دن تغلق آباد کی سیر کریں، گھومیں، پھریں، پھر چلے جائیں۔"

"خیر، جیسے آپ کی مرضی۔"

وہ اپنے کمرے میں آئے تو فرش پر ایک تار پڑا تھا — محمود نے اٹھا کر دیکھا تو وہ تار بیگم شیرازی کا تھا — اس نے تار کھول کر پڑھا، لکھا تھا:

"مجھے تم لوگوں کے جانے کے بعد یاد آگیا تھا — وہ شخص دراصل ایک جیب کترا ہے — اس نے میرا پرس اڑا لیا تھا، لیکن کچھ لوگوں نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور پولیس کے حوالے کر دیا — پھر جب مقدمہ عدالت میں پیش ہوا تو میں گواہی دینے بھی گئی تھی — لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس کے وکیل نے اسے سزا سے بچا لیا تھا۔"

تار کے الفاظ پڑھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے — پھر محمود نے چونک کر کہا:

"ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ یہ واقعہ کب کا ہے؟"

"لیکن اب اس کی کیا ضرورت ہے، مجرم تو گرفتار ہو چکا ہے۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"اس طرح اس کے خلاف مقدمہ بہت مضبوط ہو جائے گا۔" محمود نے کہا اور ٹیلی فون کی طرف جھپٹا — دوسرے ہی لمحے وہ بیگم شیرازی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ نمبر فوراً ہی مل گیا — دوسری طرف بیگم شیرازی تھیں —

"آنٹی، یہ میں ہوں محمود — آپ کا تار مل گیا ہے، کیا آپ بتا سکتی ہیں، یہ کب کا واقعہ ہے؟"

اس نے بیگم شیرازی کا جواب سنا اور ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"واقعہ ایک سال کا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ انھیں دارالحکومت میں نہیں، تغلق آباد میں پیش آیا تھا۔"

"کیا؟" دونوں ایک ساتھ چلائے۔

ان کے چہروں پر حیرت کے آثار طاری ہو گئے، کیونکہ اگر یہ واقعہ تغلق آباد میں پیش آیا تھا تو اصل فیروز وردی کو ضرور اس کے بارے میں معلوم ہوا ہوگا اور اس خیال کے آتے ہی محمود تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔ دونوں بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔

نیا رُخ

"آخر تم جا کہاں رہے ہو؟ کیس تو ختم ہو چکا ہے۔" فاروق نے جھلا کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس وقت تک وہ برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے کہ کیس ختم ہو چکا ہے، مجرم گرفتار ہو چکا ہے، لیکن یہ تو سوچو، اگر ہمیں اس چوری کا ریکارڈ مل جائے تو اس پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات کتنا مکمل ثبوت ہوں گے۔ اس طرح یہ بھی معلوم ہو گا کہ وہ شخص اپنی گزشتہ زندگی میں کیا کچھ کرتا رہا ہے، اور اگر سچ پوچھو تو ابھی میرا اطمینان نہیں ہوا — میرا دل کہتا ہے، ہم نے یہ کیس مکمل طور پر حل نہیں کیا۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"اب تم دونوں کے دلوں نے تو باتیں کرنا شروع کر دیں، لہٰذا مجھے بھی اپنے دل کو مجبور کرنا ہو گا — اچھا چلو، یہ بتاؤ، اس وقت کہاں جا رہے ہو؟"

"فیروز لودھی کے پاس۔" محمود نے کہا۔

"کونسے فیروز لودھی کے پاس؟" فاروق نے پوچھا۔

"جو گھر میں موجود ہے، پھر ہم دوسرے فیروز لودھی کے پاس بھی

جائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"تم تو اس طرح خوش ہو رہی ہو جیسے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"کسی کیس میں کوئی نئی بات معلوم ہو جائے تو میرے لیے وہ خزانے سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اچھا، یہ بات تو مجھے آج ہی معلوم ہوئی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اسی وقت وہ فیروز لودھی کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ بستر پر دراز تھا اور اس وقت کمرے میں اور کوئی نہیں تھا۔ انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر بیٹھ گیا اور خوش ہو کر بولا:

"آؤ بھئی، تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

"اس میں احسان کی کیا بات ہے انکل، ہم آپ سے ایک بات پوچھنے آئے ہیں۔"

"ضرور ضرور۔" اس نے کہا۔

"ایک سال پہلے ...... اس قصبے میں ایک جیب کترے نے کسی عورت کا پرس اڑا لیا تھا، لیکن اسے فوراً ہی پکڑ لیا گیا تھا اور پھر اس پر مقدمہ بھی چلا تھا، یہ شخص وہی تھا جو یہاں فیروز لودھی بن کر آ گیا تھا — کیا آپ کو اس وقت یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ آپ کا ایک ہم

شکل چوری کے الزام میں پکڑا گیا ہے، کسی نے تو آپ کو بتایا ہوگا۔"

تینوں کی نظریں فیروز لودھی کے چہرے پر جمی تھیں۔ انہوں نے دیکھا، فیروز لودھی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر جیسے اس نے سوچ کے سمندر سے سر ابھارا:

"نہیں، مجھے تو ایسی کوئی بات یاد نہیں۔"

"بہت بہت شکریہ، بس ہمیں یہی معلوم کرنا تھا۔"

وہ باہر نکل آئے۔ اور حوالات پہنچے۔ سب انسپکٹر اب انہیں اچھی طرح جان گیا تھا۔ بڑی گرمجوشی سے ملا۔ انہوں نے بتایا، وہ نقلی فیروز لودھی سے ملنا چاہتے ہیں۔ سب انسپکٹر کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔

"اس سے ملنے کی اب کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"ایک ضروری بات اس سے معلوم کرنی ہے۔"

"آئیے، ویسے اسے جب سے یہاں لا کر بند کیا گیا ہے، برابر رو رہا ہے۔"

"رو رہا ہے؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں، کہتا ہے، وہ اصلی فیروز لودھی ہے۔"

"ہر مجرم یہی کہا کرتا ہے۔"

"بالکل، جیل میں جا کر خود ہی سیدھا ہو جائے گا۔"

وہ انہیں حوالات کے دروازے پر چھوڑ کر خود اندر چلا گیا۔ فیروز لودھی ان تینوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کی آنکھیں واقعی سرخ تھیں،

اس نے کہا:

"اب یہاں کیا لینے آئے ہو؟ اچھے دوست ہو تم رحمان اختر کے، اس کے اصلی ماموں کو حوالات میں پہنچا دیا۔"

"آپ فکر نہ کریں، ہم اس سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"کیا خاک بھاگ دوڑ کر رہے ہو۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"آپ ہمیں نہیں جانتے، ہمارا طریقہ دوسروں سے بالکل مختلف ہے، اس وقت ہم آپ سے ایک بات معلوم کرنے آئے ہیں، اگر آپ یاد کر کے بتا دیں تو ہمیں بہت مدد ملے گی۔ ایک سال پہلے اس قصبے میں کسی جیب کترے نے ایک عورت کا پرس اڑا لیا تھا۔ لوگوں نے اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا اور پھر اس پر مقدمہ بھی چلا، لیکن اس کے وکیل نے اسے رہا کرا لیا۔ وہ شخص آپ کا ہم شکل تھا، کیا وہ آپ تھے، یا وہ جو اس وقت آپ کے گھر میں موجود ہے؟ کیا آپ کو اس واقعے کا علم ہے؟" محمود کہتا چلا گیا۔

"ہاں، مجھے میرے بوڑھے ملازم بشیر نے آکر یہ بات بتائی تھی۔ اس وقت وہ بازار میں ہی موجود تھا، جب میرے ہم شکل کو پکڑا گیا تھا۔"

"کیا؟" تینوں زور سے چلائے۔ ساتھ ہی بری طرح اچھلے بھی تھے۔

فیروز لودھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگا — سب انسپکٹر بھی دوڑتا ہوا وہاں آ گیا کہ نہ جانے کیا بات ہے۔ اس نے حیران ہو کر کہا:
"کیا بات ہے؟"
"ایک بہت ہی اہم بات معلوم ہوئی ..... اگر آپ ایک سال پہلے کا ریکارڈ نکلوا کر چیک کریں تو اس میں فیروز لودھی کے ایک شخص کے چوری کے الزام میں گرفتار ہونے کا پتا چلے گا ..... جلدی کیجیے۔"
سب انسپکٹر بھونچکا رہ گیا — بات اس کے پلے نہیں پڑی تھی۔ آخر محمود نے جلدی جلدی اسے ساری بات تفصیل سے سنائی۔ یہ سن کر سب انسپکٹر نے مایوسانہ لہجے میں کہا:
"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ شخص جھوٹ بول رہا ہو۔" اس نے حوالات میں بند فیروز لودھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے — دوسرے فیروز لودھی نے تو اس واردات سے بالکل لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ جب کہ ان کا کہنا یہ ہے کہ ان کے ملازم نے آ کر انہیں بتایا تھا — اب اگر یہ بات سچ ہے تو ایک سال پہلے گھر میں یہ موجود تھے اور حوالات میں وہ بند تھا جو اب کوٹھی کا مالک بنا بیٹھا ہے۔"
"اوہ ..... اُف خدا! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"
سب انسپکٹر نے کہا اور ریکارڈ روم کی طرف دوڑنے لگا۔ وہ بھی اس کے پیچھے لپکے۔ ریکارڈ جلد ہی انہیں مل گیا۔ قصبے میں وارداتیں ہی

کتنی ہوتی تھیں — اس میں انگلیوں کے نشانات موجود تھے۔ محمود نے جلدی سے انگلیوں کے نشانات والے وہ کاغذ نکالے، جن پر وہ کیس حل کرنے کے دوران جمال الدین انصاری وکیل کے سامنے ان کے نشانات لے چکے تھے۔
انہوں نے دیکھا، ریکارڈ پر پائے جانے والے نشانات لودھی دوم کے نشانات سے بالکل مل رہے تھے — اور اس کا بالکل صاف مطلب یہ تھا کہ اس وقت جو شخص جائیداد اور کوٹھی کا مالک بنا بیٹھا تھا، ایک سال پہلے چوری کے الزام میں گرفتار بھی ہوا تھا۔
کیس کی کایا پلٹ چکی تھی۔

○

وہ اصل فیروز لودھی کو حوالات سے نکال کر سب انسپکٹر کے کمرے میں لے آئے۔ سب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ محمود نے فیروز لودھی کو ساری صورت حال بتا دی جسے سن کر اس کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا — اس کے منہ سے نکلا:
"تم لوگوں کے بارے میں جیسا سنا تھا، تمہیں ویسا ہی پایا۔"
"لیکن ابھی ہمارا کام ختم نہیں ہوا۔" محمود نے کہا۔
"کیا مطلب!" سب انسپکٹر اور لودھی چونکے۔
"ابھی نہیں یہ بھی تو معلوم کرنا ہے کہ یہ آپ کا ہم شکل آ کہاں سے

گی، اس کے لیے ہمیں اس وکیل سے بات کرنا ہوگی جس نے اس کا کیس
لڑا تھا۔ شاید وہ اس کے بارے میں کچھ بتا سکے۔ انسپکٹر صاحب! کیا اس
وکیل کا نام معلوم ہو سکتا ہے؟"

"عدالت کا ریکارڈ دیکھنا ہوگا۔ آئیے میرے ساتھ، ابھی عدالت کا
وقت ختم نہیں ہوا اور شاید یہ بات تو جج کا ریڈر بھی بتا سکے گا کہ اس
مقدمے کا وکیل صفائی کون تھا۔"

"بہت خوب — انکل آپ یہیں تشریف رکھیے۔ اب آپ کو فکر
کرنے کی کوئی ضرورت نہیں — ہماری تفتیش ایک آدھ گھنٹے تک مکمل
ہو جائے گی۔"

"کوئی بات نہیں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن ابھی آپ گھر نہیں جائیں گے، یہیں بیٹھ کر ہمارا انتظار
کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا۔

وہ تھانے سے باہر نکلے اور عدالت کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہیں
زیادہ فاصلہ طے نہیں کرنا پڑا۔ سب انسپکٹر اور ریڈر میں شاید گہرا دوستانہ
تھا۔ اس نے کہا کہ وقت ختم ہونے والا ہے۔ جج صاحب کے اُٹھتے
ہی وہ ریکارڈ ان کے سامنے لا کر رکھ دے گا۔ تاہم اُسے یہ یاد
نہیں آ سکا کہ وکیل صفائی کون تھا۔

آخر خدا خدا کر کے وقت ختم ہوا، جج صاحب اُٹھ کر چلے گئے۔ اسی

وقت ریڈر انہیں لے کر ایک دوسرے کمرے میں آیا۔ اس نے ایک
الماری کھولی اور فائلیں الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ فرش پر ڈھیر کرنے لگا۔
یہاں تک کہ ایک فائل لے کر وہ ان کی طرف آیا۔

"ملزم کا نام الطاف شاہد ہے اور وکالت کے فرائض انجام دیے
تھے، جمال الدین انصاری نے۔"

"کیا؟"

تینوں اس قدر زور سے چلائے کہ کمرے کی دیواریں تک جھنجھنا
اٹھیں۔ ریڈر بوکھلا گیا — وہ انہیں اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ پاگل
ہو گئے ہوں۔

دوسری طرف سب انسپکٹر کا بھی مارے حیرت کے بُرا حال تھا۔ جب
اس نے فیروز لودھی کو گرفتار کیا تھا تو اس وقت جمال الدین انصاری بھی
وہاں موجود تھا اور سب انسپکٹر کو یہ بھی معلوم تھا کہ جمال الدین فیروز لودھی
کا وکیل ہے۔

لیکن ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی
تھی کہ ایک سال پہلے چوری کے مقدمے میں فیروز لودھی کے ہم شکل کی پیروی
بھی جمال الدین انصاری نے کی تھی۔

جرم کیا تھا؟

"سب سے پہلے ہمیں فیروز لودھی سے یہ معلوم کرنا ہے کہ انہوں نے جمال الدین انصاری کو کب اپنی جائیداد کا وکیل مقرر کیا تھا، اگر وہ اس چوری کے واقعے سے پہلے ہی ان کے وکیل تھے تو اس صورت میں کیس ایک نئی کروٹ لے گا۔" آخر محمود نے کہا۔

"یہ کیس ہے یا اونٹ، جس کی کوئی کل سیدھی ہی نہیں ہے، اور ہم اسے سیدھا سادا اور آسان ترین کیس سمجھ بیٹھے تھے۔" فاروق بولا۔

"اب تو یہ بالکل سیدھا ہوتا جا رہا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

وہ عدالت سے نکل کر پھر تھانے کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں فیروز لودھی ان کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی بولا:

"کہیے، کچھ معلوم ہوا؟"

"ہاں، بہت کچھ معلوم ہوا ہے، لیکن پہلے آپ ایک سوال کا جواب دیں، آپ نے جمال الدین انصاری کو کب اپنی جائیداد کا وکیل مقرر کیا تھا؟"

"تقریباً پانچ سال پہلے۔"

"آپ نے اپنی کوئی وصیت بھی لکھوائی تھی؟" فاروق نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"ہاں، میں نے اپنی تمام جائیداد میں سے آدھی دینی مدرسوں اور مسجدوں کو دینے کی وصیت کی ہے، باقی نصف کے مالک رحمان اختر اور حسنہ اختر ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ کے بعد رحمان اختر اور حسنہ اختر صرف آدھی جائیداد کے مالک ہوں گے۔"

"ہاں، لیکن بات کیا ہے — آپ لوگوں نے کیا معلوم کیا ہے؟"

"ابھی نہیں، ہم پہلے ایک ضروری کام کر آئیں —" محمود نے کہا اور سب انسپکٹر کے ساتھ فاروق اور فرزانہ بھی اسے گھورنے لگے، نہ جانے محمود کے ذہن میں کیا تھا۔

"ہاں، ایک بات اور بتائیں —" محمود نے چونک کر کہا: "آپ اس قصبے میں کب سے رہ رہے ہیں؟"

"میں تو پیدا ہی یہیں ہوا تھا۔ یہ زمینیں میرے باپ دادا کے زمانے کی ہیں۔"

"کیا آپ کا کوئی بھائی بھی تھا؟"

"نہیں، میرا کوئی بھائی ہوا نہ بہن — میں اپنے ماں باپ کا ایک ہی بیٹا ہوں۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کا کوئی اور بھائی نہیں ہے؟"

"ہاں، سو فیصد یقین ہے۔"

"آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟"

"پانچ جون انیس سو بیس۔" اس نے کہا۔

"آپ کی پیدائش گھر میں ہوئی تھی یا ہسپتال میں؟"

"آخر یہ اتنے سوال کس سلسلے میں کیے جا رہے ہیں؟" فیروز لودھی نے حیران ہو کر کہا۔

"اس کیس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے — جلدی بتائیے، وقت بہت کم ہے۔"

"میری ماں نے بتایا تھا، میری پیدائش سول ہسپتال میں ہوئی تھی۔"

"آئیے انسپکٹر صاحب۔" محمود نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کہاں چلنے کا ارادہ ہے؟" سب انسپکٹر حیران تھا۔

"سول ہسپتال۔" اس نے کہا پھر فیروز لودھی کی طرف مڑا: "اور آپ ہماری واپسی تک یہیں رہیں گے۔"

"اچھا۔" فیروز لودھی نے پریشان ہو کر کہا — اس کے چہرے سے الجھن صاف جھلک رہی تھی۔

وہ تھانے کی عمارت سے باہر نکل کر ایک بار پھر جیپ میں بیٹھے اور ہسپتال پہنچے۔

"آخر یہاں کیا کرنا ہے؟"

"پانچ جون انیس سو بیس کا ریکارڈ دیکھنا ہے۔"

"لیکن ریکارڈ دیکھنے سے بھلا کیا ہوگا؟"

"ہو سکتا ہے، بچے دو پیدا ہوئے ہوں۔ ہمیں دیکھنا ہے، فیروز لودھی کے والد ہسپتال سے ایک بچہ لے کر گئے تھے یا دو بچے، اور اگر وہ ایک بچہ لے کر گئے تھے تو دوسرا کہاں گیا؟"

"لیکن یہ دوسرا بچہ کہاں سے آ گیا؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا تم اپنی آنکھوں سے دو فیروز لودھی نہیں دیکھ چکے ہو۔" محمود نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"اوہ۔" فرزانہ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں — فاروق بھی حیران رہ گیا۔ وہ سمجھ گئے تھے، محمود کیا سوچ رہا ہے۔

وہ ہسپتال پہنچے — ریکارڈ کیپر نے رجسٹر کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا اور وہ مطلوبہ تاریخ تلاش کرنے لگے — پندرہ منٹ کی کوشش کے بعد پانچ جون کی تاریخ مل گئی۔ اس تاریخ میں صرف ایک بچہ پیدا ہوا تھا — باپ کا نام ارشاد احمد لودھی لکھا ہوا تھا۔

"اس تاریخ میں تو صرف ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔" سب انسپکٹر کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، میرے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے ہیں۔" محمود کے لہجے میں مایوسی تھی۔ وہ بھی سوچ میں ڈوب گئے — وہ سوچ رہے تھے کہ اگر ارشاد احمد لودھی کے گھر صرف ایک لڑکا پیدا ہوا تھا تو پھر

اس کا بالکل ہم شکل کہاں سے آگیا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ دو ایک ہی شکل کے بچے الگ الگ جگہوں پر پیدا ہوں۔ اچانک فاروق نے چونک کر کہا۔

"ہم ایک بات نظر انداز کر رہے ہیں۔"

"اور وہ کیا؟" محمود اور فرزانہ ایک ساتھ بولے۔

"نرس، ہمیں اس نرس سے ملنا چاہیے جو اس زمانے میں ڈیوٹی پر تھی۔"

انہوں نے نرس کے خانے میں نام دیکھا، عطیہ تنویر کا نام لکھا تھا، ریکارڈ کیپر سے اس کے بارے میں پوچھا۔

"خدا جانے وہ کب تک ملازمت میں رہی۔ ملازموں کا اس زمانے کا رجسٹر دیکھنے پر پتا لگ سکتا ہے۔"

"تو پھر ذرا مہربانی کیجیے۔"

ریکارڈ کیپر نے کوئی دو گھنٹے کی تلاش کے بعد اس زمانے کا رجسٹر ڈھونڈ ہی نکالا۔ نرس عطیہ تنویر کا نام انہیں جلد ہی مل گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ حیران رہ گئے۔

نرس نے چھ جون ۱۹۶۰ء کو ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تھا اور دوسرے شہر چلی گئی تھی۔ اس نے اپنا پتا بھی لکھوا دیا تھا اور اس پتے کی رو سے وہ اب دارالحکومت کی شاہراہ البیرونی کی تیسری گلی میں رہتی تھی۔

"کام لمبا ہو گیا۔ اب ہمیں دارالحکومت جانا پڑے گا۔ کیا آپ کو جیپ سے جانے کی اجازت مل سکتی ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"ہاں، کیوں نہیں۔"

"تو پھر چلیے۔"

وہ تھانے آ گئے۔ فیروز لودھی کو انہوں نے کہیں ہوٹل میں دن گزارنے کی ہدایت کی اور دوسرے دن صبح سویرے دوبارہ تھانے میں آ جانے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد سب انسپکٹر نے اپنے اعلیٰ افسروں کو مختصر طور پر حالات بتائے اور پھر وہ جیپ میں بیٹھ کر دارالحکومت کی طرف روانہ ہو گئے۔

نرس عطیہ تنویر کا گھر تلاش کرنے میں انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی تو ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا۔ اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ان چاروں کو دیکھا۔ آخر بولی:

"فرمائیے، کیا بات ہے؟"

"بات ذرا لمبی ہے، آپ کھڑے کھڑے تھک جائیں گی۔ کیا بہتر نہیں ہو گا کہ ہم بیٹھ کر بات کریں۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ آئیے۔" اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا۔

وہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ بوڑھی عورت نے کہا:

"اس سے پہلے کہ ہم بات شروع کریں، کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں آپ لوگوں کے لیے چائے تیار کر لاؤں۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔"

"اچھا، فرمائیے بات کیا ہے!"

"آپ تغلق آباد کے سول ہسپتال میں ملازم رہ چکی ہیں۔" محمود نے اچانک کہا۔

"ہاں، کیوں کیا بات ہے؟" اس نے چونک کر کہا۔ انہوں نے دیکھا، اس کی آنکھوں میں اچانک خوف کود آیا تھا۔

"آج سے تقریباً چالیس سال پہلے...... ارشاد احمد لودھی نامی زمیندار کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے تھے۔"

"یہ غلط ہے، دو نہیں ہوئے تھے، ایک ہوا تھا۔" بوڑھی نے چلا کر کہا۔

اور وہ سناٹے میں آ گئے۔ ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔ بوڑھی عورت نے خود ہی چیخ کر بتا دیا تھا کہ بچے دو ہی تھے۔ ورنہ چالیس سال پہلے کسی کے ایک بچہ ہوا تھا یا دو، اسے اس طرح کیوں کر یاد رہ سکتا تھا جیسے یہ ابھی کل کی بات ہو۔

"بہت خوب، اس کا مطلب ہے، بچے دو ہوئے تھے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں، دوسرا بچہ کہاں ہے؟"

عورت کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا، اس کی نظریں جھک گئیں جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی ہو۔ کئی لمحے اسی عالم میں گزر گئے۔ پھر اس نے سر اوپر اٹھایا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں — آخر اس نے کہنا شروع کیا:

"ہاں، میں نے یہ جرم کیا ہے، میں نے اپنی زندگی میں نہ کبھی چوری کی، نہ جھوٹ بولا، نہ کسی کے ساتھ دھوکا کیا، نہ حرام روزی کمائی، میری زندگی آئینے کی مانند تھی، لیکن آخر یہ جرم مجھ سے ہو ہی گیا۔ میرے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ میں ہسپتال میں کام کرتی تھی، دوسری عورتوں کے بچے ہوتے تھے اور میں ترسا کرتی تھی، میرا شوہر بھی بہت اداس رہا کرتا تھا — ایک دن ارشاد احمد لودھی کی بیوی ہسپتال میں داخل ہوئی، اس کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ اس وقت میں ڈیوٹی پر تھی، ڈاکٹر چھٹی پر تھا۔ ارشاد احمد لودھی کی بیوی کے دو بچے پیدا ہوئے۔ وہ اس وقت بے ہوش تھی — اچانک میں نے سوچا، اگر ایک بچہ میں رکھ لوں تو کسی کو پتا بھی نہ چلے گا — بس میں نے ایک بچہ اپنی سودا سلف والی ٹوکری میں رکھ لیا اور ہلکی سی بے ہوشی کی دوا اسے دے دی، تاکہ وہ رو نہ سکے۔

بچے کو لے کر میں گھر آ گئی۔ ارشاد احمد لودھی اپنی بیوی اور بچے کو لے کر گھر چلا گیا — اسے کیا معلوم، کہ اس کے دو بچے ہوئے تھے۔ میرے خاوند نے میرے اس فعل کو پسند نہیں کیا، لیکن میں نے اسے

سے کہہ دیا کہ اگر اب ہم نے بچہ واپس کیا تو میں گرفتار کر لی جاؤں گی۔ میرا خاوند خاموش ہو گیا — دوسرے دن میں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا — ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ شوہر کا تبادلہ ہو گیا اور ہم یہاں آ گئے۔ میں نے شاہد کو پالا پوسا، بڑا کیا، لیکن وہ آوارہ ہو گیا، بُری صحبت میں رہنے لگا — وہ ابھی پندرہ سال کا ہوا ہو گا کہ میرے خاوند کا انتقال ہو گیا۔ شاہد بگڑتا گیا، راتوں کو گھر سے غائب رہنے لگا۔ وہ ایک بار پولیس نے پکڑا تو میں نے اس کی ضمانت کرائی، مگر وہ نہ سنبھلا — اس کی عادتیں بگڑتی ہی گئیں اور اب تو وہ دو سال سے غائب ہے، اس نے گھر کی خبر تک نہیں لی۔ میں اس کی یاد میں آنسو بہاتی رہتی ہوں — کیا آپ کو اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"ہاں، اب وہ مجرم بن چکا ہے، آپ کو اپنے کیے کی سزا مل چکی ہے — اس لیے ہم آپ کو اس بڑھاپے میں گرفتار نہیں کریں گے۔"

"نہیں، مجھے گرفتار کر لیں، میں اپنے جرم کا کفارہ اسی دنیا میں ادا کر کے مرنا چاہتی ہوں — خدا کے لیے مجھے گرفتار کر لیں۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

"عدالت بھی شاید آپ پر ترس کھا کر رہا کر دے گی، اس لیے اس کی ضرورت نہیں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"وہ عدالت کی مرضی ہو گی۔ آپ کو یہ اختیار نہیں کہ کسی مجرم کو چھوڑ دیں —" اس نے کہا۔

سب انسپکٹر مجبور ہو گیا — وہ ہتھکڑیاں لے کر آگے بڑھا، لیکن اسی وقت بوڑھی کرسی سے ڈھلک کر فرش پر ڈھیر ہو گئی، وہ گھبرا کر اس پر جھکے ..... لیکن وہاں اب کیا تھا، وہ تو اپنے کیے کی سزا پا چکی تھی۔ بیٹے نے اُسے دکھ پر دکھ دیے تھے — اس کا ہارٹ فیل ہو گیا تھا —

مجرم

وہ واپس لوٹے تو سورج طلوع ہو رہا تھا — تھانے میں فیروز لودھی موجود تھا۔ اُسے لے کر وہ کوٹھی پر پہنچے۔ سبھی افراد انہیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔

"انسپکٹر صاحب، آپ اسے یہاں کیوں لے آئے؟" فیروز لودھی نے کہا۔

"ابھی بتاتے ہیں، لیکن پہلے اپنے وکیل کو بلا لیجیے" — محمود نے کہا۔

"اچھا" — اس نے کہا اور جمال الدین انصاری کو فون کرنے لگا۔ اس روز چھٹی تھی، اس لیے وکیل صاحب نے فوراً ہی پہنچنے پر آمادگی ظاہر کی۔ آدھ گھنٹے بعد وہ اندر داخل ہوا تو دونوں فیروز لودھیوں کو ایک جگہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

"یہ کیا! آپ اسے لے کر یہاں کیوں آ گئے؟"

"مسٹر محمود کچھ کہنا چاہتے ہیں" — سب انسپکٹر نے کہا۔

"بہت خوب، ہم ضرور سنیں گے" — وکیل صاحب نے کہا۔

"اصل فیروز لودھی کے والد کا نام ارشاد احمد لودھی تھا" — محمود نے

کہنا شروع کیا، "ہسپتال میں ان کے ہاں دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک بچہ ایک نرس چرا کر لے گئی۔ کسی کو کانوں کان پتا نہ لگا..... ارشاد احمد لودھی اور ان کی بیگم یہی سمجھتے رہے کہ ان کے ہاں ایک لڑکا ہوا ہے — نرس نے اس بچے کو پالا، جوان کیا، مگر وہ آوارہ ہو گیا، جیب کترا بن گیا — ایک دن وہ جیب کترا اس قصبے میں آ گیا۔ اس نے ایک عورت کے پرس پر ہاتھ صاف کیا، لیکن پکڑا گیا۔ پولیس اس کا ریمانڈ لینے کے لیے عدالت میں لے گئی تو وہاں ہمارے وکیل جمال الدین انصاری صاحب بھی موجود تھے۔ انہوں نے جو اسے دیکھا تو حیران رہ گئے، کیونکہ اس کی صورت ہو بہو فیروز لودھی صاحب سے ملتی جلتی تھی — یہ اس کے پیچھے عدالت کے کمرے میں پہنچے اور وہاں انہیں معلوم ہوا کہ گرفتار شدہ ملزم کا نام الطاف شاہد ہے، یہ جیل میں اس سے ملے، اس کا کیس لڑنے کی ذمے داری لی اور وہ بھی مفت — آخر یہ اسے رہا کرانے میں کامیاب ہو گئے — پھر اسے لے کر اپنے گھر آ گئے۔ اس سے سارے حالات معلوم کیے اور سمجھ گئے کہ یہ فیروز لودھی کا جڑواں بھائی ہے۔ اتنی دیر میں یہ اپنے ذہن میں ایک زبردست پروگرام بنا چکے تھے — پروگرام یہ تھا کہ فیروز لودھی کی تمام جائیداد پر قبضہ کر لیا جائے — شاہد تو پہلے ہی اس قسم کا آدمی تھا، فوراً تیار ہو گیا — اب انہوں نے اسے تربیت دینا شروع کی۔ دستخطوں کی نقل کرنے کی تاکید کی۔ یہ کام تقریباً ایک سال تک ہوتا رہا، یہاں

تک کہ اصلی اور نقلی فیروز لودھی میں سرے سے کوئی فرق نہ رہا..... وکیل صاحب نے گھر کے حالات کے بارے میں بھی اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ لودھی صاحب کی تمام عادات کی اسے مشق کرا دی تھی۔ انہوں نے اپنے پاس موجود کاغذات بھی نئے سرے سے تیار کیے اور ان پر نئے فیروز لودھی کے دستخط اور انگلیوں کے نشانات لے لیے..... پھر انہوں نے چند غنڈوں کو کرائے پر لیا اور ان سے فیروز لودھی کو اغوا کرا لیا — دوسری صبح نقلی فیروز لودھی کو اغوا کی کہانی بیان کرنے کی ہدایت کر کے کوٹھی میں بھیج دیا۔ کسی کو ہوا تک نہ لگی کہ کتنی بڑی تبدیلی آ چکی ہے — وکیل صاحب یہاں اکثر آتے جاتے رہتے تھے، انہیں تمام باتیں اچھی طرح معلوم تھیں اور جب سے ان کا یہ پروگرام بنا تھا — اس وقت سے تو اور بھی زیادہ آتے جاتے رہتے ہوں گے — خیر ان لوگوں کا پروگرام تو یہ تھا کہ اصلی فیروز لودھی کو جنگل میں ٹھکانے لگا دیا جائے گا، لیکن ہوا یہ کہ فیروز لودھی صاحب جنگل والے مکان سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے عقل مندی یہ کی کہ گھر واپس نہیں گئے۔ اسی وجہ سے ان کی جان بچ گئی — یہ دارالحکومت میں ہمارے پاس پہنچ گئے اور ہم انہیں یہاں لے آئے۔ یہ تھی کل کہانی، اگر اس کیس کے اصل مجرم جناب وکیل صاحب جمال الدین انصاری ہیں۔"

یہ کہہ کر محمود خاموش ہو گیا — سب لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ کیس اس کروٹ بھی بیٹھ سکتا ہے —

"تو..... تو یہ میرا سگا بھائی ہے؟" فیروز لودھی نے شاہد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی ہاں، اس میں ایک فیصد بھی شک کی گنجائش نہیں ہے، یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔"

"اوہ — میرے بھائی —" فیروز لودھی اٹھ کھڑا ہوا، وہ اپنے بھائی سے لپٹ گیا، لیکن اس کی نظریں تو ہتھکڑی کے اس جوڑے پر بھی ہوئی تھیں جو اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور جو ایک دن پہلے فیروز لودھی کے ہاتھوں میں پہنائی گئی تھیں —

آئندہ ناول کی ایک جھلک:

محمود فاروق فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے ۱۹

فرضی قتل

مصنف: اشتیاق احمد

- وہ سب نواب احتشام کی حویلی میں موجود تھے۔
- نواب احتشام ہر سال ایک کھیل کھیلا کرتے تھے۔
- اس کھیل میں ایک شخص کو قتل کر دیا جاتا تھا۔
- لیکن اس سال کھیل کے وقت وہاں انسپکٹر جمشید محمود فاروق اور فرزانہ بھی موجود تھے۔
- کمرے میں آدمی قتل پڑا تھا، لیکن اس کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔
- قاتل کون تھا — کسی کو نہیں معلوم تھا؛ حالانکہ وہ ان کے آس پاس ہی موجود تھا۔
- اور جب قاتل سب کے سامنے آیا تو وہ دھک سے رہ گئے۔
- آپ بھی اچھل ہی تو پڑیں گے۔

اتنا حیرت انگیز اور سنسنی خیز ناول جس کی ہر سطر پر آپ کا دل دھڑکے گا —